تصنیفِ لطیف

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ

سلطانُ الوَھم

(کلاں، خورد)

بحکم واجازت

خادم سلطان الفقر

سلطان محمد نجیب الرحمن

سروری قادری مدظلہ الاقدس

مترجم:

حافظ حماد الرحمٰن سروری قادری

Marfat.com

Marfat.com

19087

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصنیفِ لطیف

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ

سُلطانُ الوھم

(کلاں و خُورد)

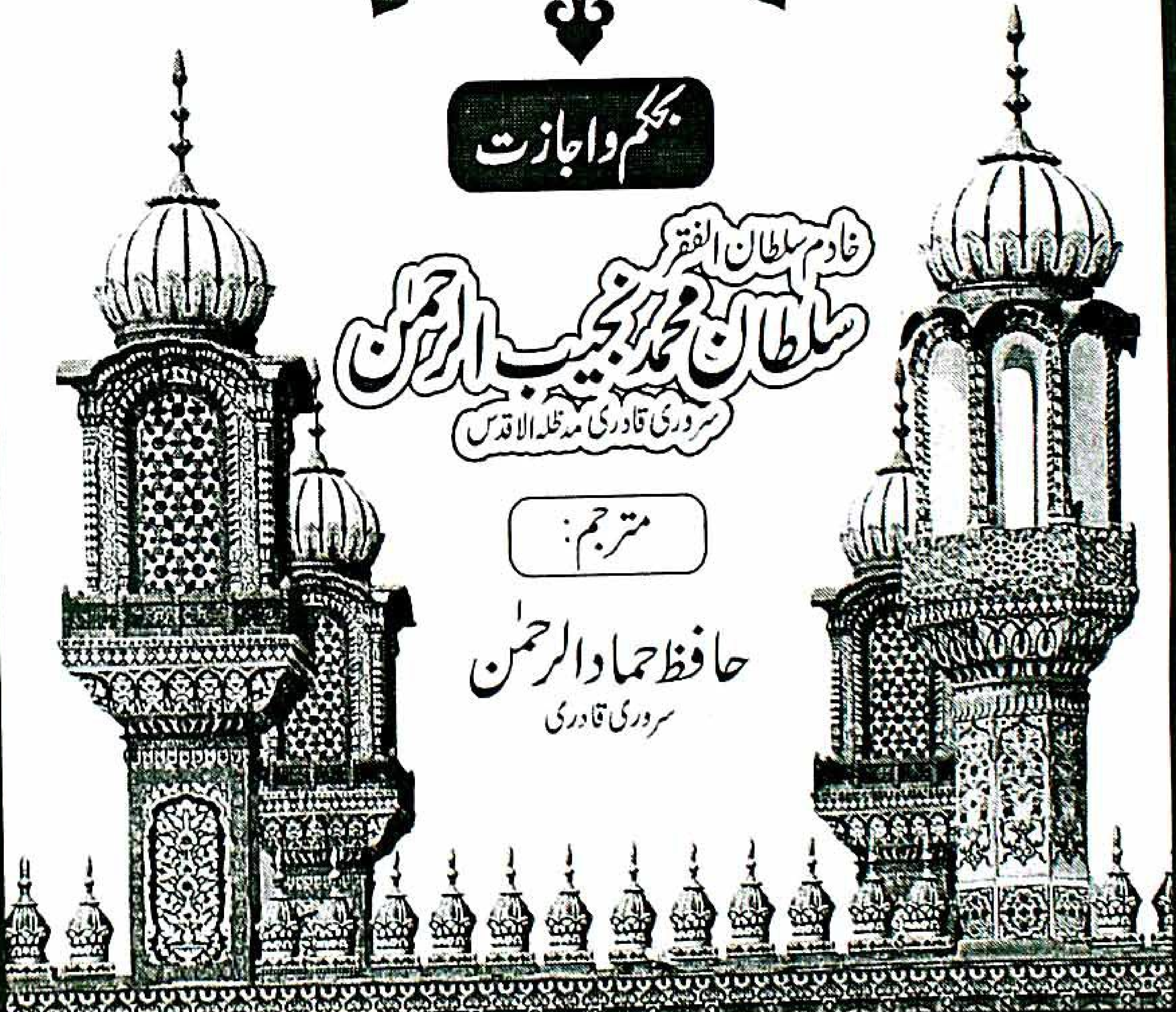

بحکم واجازت

خادم سلطان الفقر

سلطان محمد نجیب الرحمٰن

سروری قادری مدظلہ الاقدس

مترجم:

حافظ حماد الرحمٰن

سروری قادری

Marfat.com

©
All Copy Rights reserved with
SULTAN-UL-FAQR PUBLICATIONS (Regd.)
Lahore-Pakistan

نام کتاب سلطان الوھم (کلاں و خورد)

تصنیفِ لطیف سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ

مترجم حافظ حماد الرحمٰن سروری قادری

ناشر محمد ناصر حمید سروری قادری

پرنٹر آر۔ٹی پرنٹرز لاہور

بارِاوّل اگست 2012ء

تعداد 1000

ISBN: 978-969-9795-00-8

109112

سلطان الفقر پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ
سلطان الفقر (رجسٹرڈ) پبلیکیشنز

سلطان الفقر ہاؤس

4/A-ایکسٹینشن ایجوکیشن ٹاؤن وحدت روڈ ڈاکخانہ منصورہ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 54790
Ph: 042-35436600, 0322-4722766

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اپنے مرشد پاک

خادم سلطان الفقر

حضرت سخی

سلطان محمد نجیب الرحمٰن

سروری قادری مدظلہ الاقدس

کے نام

آپ نگاہِ کامل سے زنگ آلودہ قلوب کو
نورِ ایمان سے منور فرما رہے ہیں

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تمام مخلوق کو بسم اللہ کے با کے نقطہ سے اپنی پہچان کے لیے تخلیق فرمایا۔ جس کی شانِ اقدس لیس کمثلہٖ شیءٌ و ھو السمیع البصیر ہے۔ لاکھوں کروڑوں درود وسلام ہوں سرورِ کائنات حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو وجہ تخلیقِ کائنات ہیں جن کی شانِ اقدس من رانی فقد رائ الحق ہے۔ درود وسلام ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل اور اصحاب پر کہ جو سفینۂ نوح اور ستاروں کی مانند ہیں۔

انسان کا مقصدِ حیات اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفتِ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ازل سے ہے کہ جب بھی انسان اپنی تخلیق کے مقصد کو بھولنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیاء اور رُسل کو ان میں مبعوث فرمایا تا کہ وہ انہیں صراطِ مستقیم پر گامزن کر سکیں۔ مگر نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمانے کا سلسلہ نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد قیامت تک امرِ معرفت کے علم کو بلند کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نائبین اس دنیا میں آتے رہیں گے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عین قدم مبارک پر ہوتے ہیں اور امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب اپنی نگاہِ کرم سے فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک نائب ہر وقت، ہر زمانہ میں موجود ہوتا ہے جسے انسانِ کامل کے نام سے صوفیاء کرام نے موسوم کیا ہے۔

حضرت علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- ”ہر زمانہ میں ایک شخص قدمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہوتا ہے اور وہی انسانِ کامل ہوتا

Marfat.com

1600ء کا دور وہ دور تھا جب اقرار باللسان کے مقام تک محدود رہنے والے مسلمانوں کی کثرت اور تصدیق بالقلب کے مرتبے تک پہنچنے والے مومن کمیاب تھے۔ اسلام تو تھا مگر اس کی روح' اسلام دشمن قوتوں نے مغلوب کر رکھی تھی۔ راہبر ہی راہزن تھے گویا اسلام روحانی طور پر خلفشار کا شکار تھا۔ ان ناموزوں حالات میں اسلام کسی مسیحا کے انتظار میں تھا جو اسلامی عقائد کی روح کو غالب کر سکے۔ اسلام کی اس فریاد کو بارگاہِ حق میں پذیرائی ملی اور اللہ تعالیٰ نے بابِ رحمت کا در مصطفیٰ ثانی، مجتبیٰ آخر زمانی سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں قیامت تک کے لیے کھول دیا۔ اور یہ اعلانِ عام کر دیا کہ اس درِ رحمت سے قیامت تک نور ہی نور برستا رہے گا اور قیامت تک یہ رحمتِ عامہ رحمتِ خاصہ میں بدلتی رہے گی اور نورِ معرفت سے ہر زنگ آلود قلب کو منور کرتا رہے گا۔

یکم جمادی الثانی 1039ھ (17 جنوری 1630ء) بروز جمعرات بوقتِ نمازِ فجر شور کوٹ ضلع جھنگ میں مصطفیٰ ثانی، مجتبیٰ آخر زمانی، سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسمِ اَللّٰہُ ذات اور اسمِ مُحَمَّدْ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیض کو عام کرنے کے لیے بہت سی تصانیف فارسی میں تحریر فرمائیں جن میں سے مؤرخین 140 تصانیف کا ذکر کرتے ہیں لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اولین سوانح حیات ''مناقبِ سلطانی'' میں صرف تیس کتب کے نام ملتے ہیں، گویا مناقبِ سلطانی کی تصنیف کے وقت ہی بہت سی کتب زمانہ کی نذر ہو چکیں تھیں۔ ان میں سے 33 کے قریب تصانیف کے تراجم دستیاب ہیں جن میں سے سُلطانُ الوَھم سب سے اہم تصنیف ہے۔

سُلطانُ الوَھم کلاں اور خورد کا قلمی نسخہ جیکب آباد (سندھ) میں سیّد سلطان شاہ لائبریری سے 1977ء میں دریافت ہوا۔ یہ ایک خطی نسخہ ہے۔ اس میں کاتب کا نام ندارد ہے، البتہ سالِ کتابت 1209ھ تحریر ہے۔ یہ نسخہ 53 کشادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ خطِ نسخ میں باریک قلم کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ تقطیع ۱/۲ x۱۴ _ ۲۲ ہے۔ چونکہ یہ اصل متن اب تک دریافت نہ ہوا تھا اس لیے

Marfat.com

اس کا اردو ترجمہ بھی کہیں نہیں نظر آیا۔'' (مراتِ سلطانی از ڈاکٹر الطاف علی)

سب سے پہلے فارسی میں فقیر میر محمد سروری قادری نے اس نسخہ کو شائع کیا اور پھر اس کا اردو ترجمہ 1999ء میں شائع کیا گیا۔ اس بندہ عاجز نے اس کا فارسی نسخہ ''سلطان الوَھم'' اپنے آقا، اپنے ہادی رہبر و رہنما اپنے مرشد کریم ذاتِ سرچشمہ چشمانِ حقیقتِ ھاھویت سِرِّ اسرارِ ذاتِ یاھو حضرت سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس کے دستِ اقدس سے حاصل کیا اور ذاتِ سرچشمہ چشمانِ حقیقتِ ھاھویت سِرِّ اسرارِ ذاتِ یاھو حضرت سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے اپنی لائبریری سے بندہ عاجز کو نوازا اور سلطان الوَھم کے فارسی متن کا اردو ترجمہ کرنے کی اجازت و توفیق عطا فرمائی۔

بندہ عاجز نے سلطانُ الوَھم کے اس نسخہ کو بنیاد بنا کر اس کا اردو ترجمہ قارئین کی نذر کیا ہے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ سلطانُ الوَھم کے اس اردو ترجمہ میں سلطان الوَھم کے فارسی متن کی روح برقرار رکھی جائے۔

''سلطان الوَھم'' سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُوؒ کی فقر کے اہم مقام ''وَھم'' پر بہت ہی مدلّل تصنیف مبارکہ ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی اس تصنیف مبارکہ میں وَھم کی حقیقت کو کھول کر طالبِ مولیٰ کے لیے بیان فرمایا ہے۔ یہ امرِ حقیقت ہے کہ آپؒ کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے مرشد کامل اکمل صاحبِ مسمّٰی سروری قادری کی ضرورت ہے کہ جو دِل و دماغ کے دروازے کھولنے والا اور دریائے وحدت میں اپنے طالبِ مولیٰ کو غوطہ زن کرنے والا ہو۔

فقراء نے اپنی تصانیف میں وھم کا ذکر کیا ہے لیکن سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف مبارکہ میں دیگر صوفیاء کرام سے مقابلتاً وھم کا ذکر زیادہ تفصیل سے فرمایا ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف مبارکہ کلید التوحید کلاں، محک الفقر کلاں، قربِ دیدار اور دیگر تصانیف میں وھم کا ذکر ملتا ہے مگر سلطان الوَھم کا موضوعِ بحث ہی وھم ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ (الشوریٰ 51)

ترجمہ: ''اور ہر بشر (انسان) کی مجال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے، یا پردے کے پیچھے سے (جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کی) یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے۔ بے شک وہ بلند مرتبہ اور حکمت والا ہے''۔

❁ ایک حدیثِ مبارکہ بھی ہے:

مَامِنْ عَبْدٍ اِلَّا وَسَيُكَلِّمُهٗ رَبُّهٗ لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَالرَّبِّ تَرْجُمَانٌ وَلَا وَاسِطَةٌ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ''ہر ایک مومن بندہ اللہ تعالیٰ سے کلام فرمائے گا اور اس وقت اللہ اور بندے کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا نہ کوئی واسطہ''۔

وھم کو بہتر طریقہ سے سمجھانے کے لیے میرے مرشد کریم میرے ہادی و رہنما حضرت سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس نے اپنی زیرِ طبع تصنیف مبارکہ ''شمس الفقرا'' میں وھم پر ایک تفصیلی باب تحریر فرمایا ہے جس کے چند اقتباسات ذیل میں درج ہیں:

❁ وَھم کے معنی ظن اور گمان کے ہیں اور ''اوہام'' اس کی جمع ہے۔ اصطلاحِ فقر میں وَھم سے مراد طالبِ مولیٰ کی ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ ظاہر و باطن میں اُس کے دِل میں جو سوال بھی پیدا ہوتا ہے اس کا جواب بارگاہِ ربّ العزت سے وصول پاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وَھم سے مراد اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی ہے۔ اس ہمکلامی کو حضرت سلطان العارفین رحمتہ اللہ علیہ ''سیرِ اوہام'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے، ایک مقررہ وقت پر کوہِ طور پر تشریف لے جاتے، باوضو ہو کر دو نفل پڑھتے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتے، استغراق کا ایک پردہ سا چھا جاتا اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو جاتے۔ آج بھی فقراء اور عارفین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہو کر ہمکلام ہوتے ہیں جسے حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے ''سیرِ اوہام'' کا نام دیا

Marfat.com

ہے۔

''سیرِ اوہام راہِ فقر میں بڑا اعلیٰ مرتبہ ہے اور یہ حضورِ قلب کے بعد حاصل ہوتا ہے اور فنا فی اللہ بقا باللہ تک یہی مرتبہ سیرِ اوہام ہی پہنچاتا ہے۔''

وحی اور فرشتوں کے نازل ہونے کا سلسلہ تو خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔لیکن پسِ پردہ اللہ تعالیٰ آج بھی فقراء اور عارفین سے ہم کلام ہوتا ہے۔اس ہم کلامی کو سیرِ اوہام کہتے ہیں۔اوہام مقامِ وصال کے قریب تر ہے اور مقامِ وحدانیت ہے اور مرکز اس کا قلب (باطن) ہے۔جب کثرتِ ذکر اور تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات سے اسمِ اَللّٰہُ ذات دِل میں قرار پکڑ لیتا ہے اور دِل میں نقش ہو کر قلب بیدار ہو جاتا ہے اور عشق کی تپش سے پختہ ہو کر حضوری میں چلا جاتا ہے تو قلب میں طالب کو اوہام کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے ہر سوال کا جواب بارگاہِ ربِّ جلیل سے باصواب وصول پاتا ہے۔اور پھر راہِ فقر میں یہ لمحات بھی آ جاتے ہیں کہ طالب ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے محوِ گفتگو یا اللہ تعالیٰ طالب سے محوِ گفتگو رہتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں عاشق و معشوق ،محبّ اور محبوب کے درمیان نہایت ہی دلچسپ اور پُر کیف سلسلۂ راز و نیاز شروع ہو جاتا ہے۔یہ وہ مقام ہے کہ جہاں مومن کے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے اور جہاں اُس کی ہمت' ایمان اور یقین کو پرکھا جاتا ہے۔یہاں اس پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔جہاں کبھی تو اس پر قوسِ ابرو سے تیرِ مژگاں چلا کر اس کے قلب وجگر کو چھلنی کیا جاتا ہے اور کبھی لبِ لعل کے شربت رُوح افزا سے اس پر نوازشات کی بارش کی جاتی ہے۔اس مقام پر کبھی عاشق کے لیے شمع و پروانہ اور گل و بلبل کی داستانیں دہرائی جاتی ہیں تو کبھی اُسے نظرِ عنایت سے نوازا جاتا ہے۔کبھی پردہ چہرے سے اٹھا کر اُسے حسنِ عالم سوز کے جلووں سے مشرف کیا جاتا ہے تو کبھی اُسے آتشِ ہجر و فراق میں ڈال کر خاکستر بنایا جاتا ہے۔اسی مقام پر عابد، معبود اور عاشق و معشوق کے مابین ایسا سلسلہ کلام جاری ہوتا ہے جس میں ہزاروں لاکھوں حقائق و معارف بیان کیے جاتے ہیں، علمِ لدّنی اور علمِ اسرار عطا کیا جاتا ہے اور کئی قسم کی تجلیات سے سالک کی تواضع کی

Marfat.com

جاتی ہے۔ کبھی جاہ وجلال کی بجلیاں گرائی جاتی ہیں تو کبھی حُسن و جمال کے کرشموں سے سرشار کیا جاتا ہے، کبھی ہجر وفراق کے تیر برسائے جاتے ہیں تو کبھی شرابِ وصل سے سیراب کیا جاتا ہے، کبھی زلفِ سیاہ کے پھندوں میں گرفتار کیا جاتا ہے تو کبھی رُخِ انور کی ضیا باریوں سے ان کے قلب وجان کو زندہ کیا جاتا ہے۔ کبھی بُعد سے آزمایا جاتا ہے، کبھی قرب سے نوازا جاتا ہے۔ کبھی بیخودی، استغراق اور محویت میں مست کیا جاتا ہے تو کبھی خوف وہیبت کی آگ میں جلایا جاتا ہے۔ کبھی بلبل کی طرح رُوئے گل پر نثار ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو کبھی شمعِ حُسن پر دیوانہ وار جلایا جاتا ہے۔ غرضیکہ محبوبِ حقیقی کے ناز وانداز عشوئے غمزے بدلتے رہتے ہیں اور عاشق صادق ہر حال میں خوش وخرم رہتا ہے۔ اس لیے کہ دوست کا جلال اور جمال دونوں محبوب ہیں۔ قرب میں وہ صفتِ جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بُعد میں جمال کا اور کبھی اس کے برعکس معاملہ ہوتا ہے۔ ان کی گریہ وزاری، ان کے غم واندوہ، ان کے ہجر وفراق، ان کے وصل وانبساط، ان کے ذوق وشوق، ان کے شعر وسخن، ان کے وجد وحال، ان کے علم ودانش، ان کی جدوجہد، ان کی کاوشوں، قربانیوں، جاں نثاریوں کا مرجع، ان کا منجا، ان کا ملجا، ان کا ماویٰ، ان کی جان، ان کی عزت، ان کی شان، ان کی آن، ان کی بان، ان کے دین، ان کے ایمان، ان کے دھرم، ان کے بھرم، ان کی شرم، ان کے زُہد، ان کے تقویٰ، ان کے حج، ان کی زکوٰۃ، ان کے صوم، ان کی صلوٰۃ، ان کی زندگی اور ان کی موت کا مقصد ومدعا، غرض وغایت محبوبِ حقیقی کی رضا ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ یعنی ''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں۔'' اب بندہ جیسا گمان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی بن جاتا ہے۔ اگر الہام چاہتا ہے تو الہام دِل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یاد رہے الہام یکطرفہ ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کی بات دِل میں ڈالنا۔ دلیل یا آگاہی سے مراد یہ ہے کہ کوئی دلیل یا آگاہی چاہی یعنی جیسا چاہا ویسا ہی ہوگیا۔ کشف یہ ہے کہ اسرارِ غیب سے کچھ جان لینا۔ لیکن وَھم اِن سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ یہاں تو ہر لمحہ گفتگو جاری ہے۔ اب یہ طالب کا گمان ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے کیونکہ ''اولیاء کے قلوب

Marfat.com

پر سکون حرام ہوتا ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی مقام پر ٹک نہیں سکتے۔ اس لیے الہام سے دلیل وآگاہی اور دلیل وآگاہی سے وَھم کی طرف بڑھنا چاہیے۔ (شمس الفقرا۔ تصنیف مبارکہ حضرت سلطان محمد نجیب الرحمٰن مدظلہ الاقدس)

حضرت علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں:

(۱) اور اوہام اس معرفت (معرفتِ حق تعالیٰ) کو صورتِ خیالی سے بہت مستحکم اور قوی کر دیتے ہیں اور اسی واسطے اس خلقتِ انسانی میں وَھم کی سلطنت عقل پر بڑھی ہوئی ہے کیونکہ عاقل اگرچہ مرتبۂ کمال (عقل کے کمال) کو پہنچ جائے لیکن وَھم کی حکومت سے کبھی خالی نہیں ہوتا اور جن چیزوں کو عقل ادراک کرتی ہے ان کو وَھم صورت میں بتلاتا ہے۔ پس اس کامل صورتِ انسانی میں وَھم بہت بڑا سلطان (سُلطانُ الوَھم) ہے۔ اور اس کی سلطنت قوی ہے۔

(۲) دائمی فکر اور یکسوئی اور محویت ہی انسانِ کامل کی صورت میں سلطانِ اعظم ہے یعنی انسانِ کامل کو جو کمال حاصل ہوتا ہے وہ اسی وَھم کی بدولت ہے۔ وَھم سے مراد دائمی خیال اور محویت ہے جو عشقِ الٰہی کا ثمرہ ہے۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ عارف کے دِل سے وَھم کا پردہ اٹھا دیتا ہے تو وہ اس راز کو پالیتا ہے کہ وہ ذات جس کو وہ اپنے سے اور خَلق سے دور جانتا تھا اس کے دِل میں جلوہ نما ہے، یہ معرفت کی انتہا ہے۔ (شرح فصوص الحکم والایقان)

❁ سیّد عبدالکریم بن ابراہیم الجیلیؒ ''انسانِ کامل'' میں لکھتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وَھم کو اپنے اسمِ کامل (ھُو) سے پیدا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ وَھم سے عزرائیلؑ کو پیدا کیا ہے (یعنی حضرت عزرائیلؑ وَھم کے فرشتہ ہیں کیونکہ روحوں کو قبض کرنے کی وجہ سے وہ روح کا زیادہ علم رکھتے ہیں)۔ پھر چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وَھم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نورِ کامل سے پیدا کیا ہے لہٰذا وجود میں اُسے لباسِ کامل (انسانِ کامل) میں ظاہر کیا ہے۔

Marfat.com

(۲) جاننا چاہیے کہ نورِ وَھم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کے لیے آئینہ بنایا ہے اور اپنے قدس کا مظہر قرار دیا ہے۔ عالم میں اس سے بڑھ کر ادراک کرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ ہی نگہداشت میں اس سے بڑھ کر کوئی زور آور چیز ہے۔ تمام موجودات میں اس کا تصرف ہے۔ اسی سے عالم اللہ کی بندگی کرتا ہے اسی کے نور سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف نگاہ کی۔ اسی سے پانی پر چلا وہ شخص جو چلا اور اسی سے ہوا پر اڑا جو اڑا۔ وہ نورِ یقین ہے اور استیلا و تمکین کی اصل ہے۔ جس کو یہ نور مسخر ہو گیا اور وہ اس پر حاکم ہوا وہ اس سے کائناتِ علوی و سفلی میں تصرف کرتا ہے اور جس پر سُلطانُ الوَھم غالب ہوتا ہے وہ اس سے وہمی امور (وَھم کے ذریعے) میں بات کرتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے جب وَھم کو پیدا کیا تو اس کو کہا کہ میں تجھے حلفاً کہتا ہوں کہ میں اہلِ تقلید کے لیے بجز تیرے کسی شے میں تجلّی نہیں کروں گا اور تیری پوشیدگی کے سوا عالم کے لیے میں ظاہر نہیں ہوں گا۔ (انسانِ کامل، ترجمہ فضل میراں ناشر نفیس اکیڈمی کراچی)

❁ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ وَھم کے بارے میں اپنی تصنیف سلطانُ الوَھم کے علاوہ دوسری تصانیف میں فرماتے ہیں:

❁ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ سے ہم کلام ہونے کے لیے کوہِ طور تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کے لیے اس کا اپنا وجود ہی کوہِ طور ہے کیونکہ وہ اپنے وجود کے اندر ہی شہ رگ سے نزدیک تر اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے اور حضورِ ربّ سے اپنے ذکر اذکار کا جواب باصواب پاتا ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

❁ فرمانِ حق تعالیٰ ہے کہ ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔'' (البقرہ 152)۔ تم مجھے اوہام سے، الہام سے یا آگاہی سے یا دلیل سے (یعنی جس ظن یا گمان سے) یاد کرو گے تو میں بھی تمہیں اوہام سے یا الہام سے یا آگاہی سے یا دلیل سے یاد کروں گا۔ اے ناقص بخیل یہی وہ راہِ کاملین ہے جو نہیں بارگاہِ ربِّ جلیل تک پہنچاتی ہے یہ راہ کلمہ طیبات ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' اور اسمِ اَللّٰہُ ذات کی مشقِ تصور سے حاصل ہوتی ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

Marfat.com

تفکر اور ذکرِ اوہام سے حاصل ہونے والے وصالِ وحدت کے بارے میں سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

۱ تفکر بہ اوہام وحدت دہد رساند بہ مولیٰ و از خود دہد
۲ وَھم است سلطان تفکر وزیر تذکر بود لشکرت دِل پذیر
۳ تجرد تفکر بہ کس زادِ راہ بدیں توشہ ہمت شود عین شاہ
۴ چو وہمت رساند بہ عالم وصال تنت عین گردد زصحبت کمال
۵ چو اوہام گردد یقین گیر من جہاں جملہ اید بہ تدبیر من
۶ چوں سلطان وہمت بہ یابد کمال بہر ساعت آید بہ دِل صد جمال
۷ بدیں وَھم خود را چو آراستی وصولی حقیقت بہ خود یافتی

ترجمہ:-۱۔تفکر اوہام کے ساتھ ہو تو وصالِ وحدت بخشتا ہے اور معیتِ مولیٰ میں غرق کر کے وبالِ ہستی سے نجات دلاتا ہے۔۲۔وَھم بادشاہ ہے، تفکر اس کا وزیر ہے اور تذکر اس کا دلپذیر لشکر ہے۔۳۔اگر کسی کو تجرد و تفکر کا زادِ راہ میسر آجائے تو اس توشۂ ہمت سے وہ بادشاہ بن جائے گا۔ ۴۔جب وَھم تجھے عالمِ وصال تک پہنچا دے گا تو تیرا وجود اس کی محبت سے کمال پذیر ہو جائے گا۔ ۵۔جب میں اوہام کی مدد سے مراتبِ یقین پر پہنچا تو تمام جہان میری تدبیر کے غلام بن گئے۔ ۶۔جب سُلطانُ الوَھم (مرشدِ کامل) اپنے کمال کا ظہور فرماتا ہے تو دِل میں دم بہ دم نورِ جمال کے سینکڑوں جلوے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔۷۔اگر تُو خود کو اس وَھم سے آراستہ کر لے تو تُو حقیقت کو پالے گا اور خود کو بھی پالے گا۔(محک الفقر کلاں)[۱]

❋ جو آدمی اس مرتبے (مرتبہ اوہام) پر پہنچ جاتا ہے اس کا آرام وسکون مٹ جاتا ہے۔کبھی وہ صاحبِ خوف ہوتا ہے اور کبھی صاحبِ رجا، کبھی صاحبِ سکر ہوتا ہے اور کبھی صاحبِ صحو، کبھی بے خبر ہو کر ہوائے خود پرستی میں صاحبِ غرور ہوتا ہے اور کبھی صاحبِ حضور، کبھی صاحبِ غیب ہوتا ہے اور

۱۔ یہ ابیات ''سلطانُ الوَھم'' میں بھی موجود ہیں۔

Marfat.com

کبھی صاحبِ جمال وجلال، کبھی صاحبِ استغفار ہوتا ہے اور کبھی صاحبِ افتخار اور کبھی صاحبِ مشاہدہ ہو کر حلاوتِ عشق ومحبت کے مزے لیتا ہے۔ اس طرح ابدالاباد تک اس کے دِل کی کیفیات اس قدر سرعت سے بدلتی رہتی ہیں کہ اُن کا شمار تک ممکن نہیں ہوتا۔ (محک الفقر کلاں)

اگر وصل خواہی بروں شو ز غیر　　　بہ اوہام حالش برآور تو سیر

ترجمہ: اوہام کی مدد سے تو اُس کے احوال کی سیر حاصل کر۔ اگر تو وصالِ حق چاہتا ہے تو غیر حق سے جدا ہو جا۔ (محک الفقر کلاں)

❁ صاحبِ وَھم طالب کے بارے میں سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں: ''بعض طالب صاحبِ وَھم ہوتے ہیں۔ صاحبِ وَھم وہ ہے کہ جس کے دِل میں ذوقِ وحدانیت پایا جاتا ہو، اس کا وَھم قاتلِ نفس ہوتا ہے۔'' (محک الفقر کلاں)

❁ اہلِ حضور کو مقامِ وحدانیت سے وَھم ہوتا ہے، جونہی اس پر حالتِ وَھم وارد ہوتی ہے اُس کا ہر مشکل کام اسی وقت ہو جاتا ہے اور بذریعہ وَھم ظاہر و باطن کی ہر تفصیل اس پر منکشف ہو جاتی ہے۔ (کلید التوحید کلاں)

پس وَھم تو قلبِ مومن کو حاصل ہونے والی وہ حضوریٔ حق ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ سے کلام کی سعادت پاتا ہے اور ''سلطان الوَھم'' سے مراد ''انسانِ کامل'' یا مرشد کامل اکمل ہے جو طالب کو حضوریٔ حق میں پہنچا کر اس پر 'وَھم' کھولتا ہے اور اسی سلطان الوَھم مرشد کامل اکمل کے توسط اور وسیلے سے طالب اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔

سُلطانُ الوَھم کے بارے میں ''قربِ دیدار'' میں حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ جو فقیر فقر کے سُلطانُ الوَھم کے مراتب پر پوری طرح پہنچ جاتا ہے اسے قربِ الٰہی سے علوم کی وحی اور الہام کا مرسل قدرتِ الٰہی سے ہزار ہا بار، بلکہ بے شمار پیغام پہنچاتے ہیں اور علمِ لدّنی اور وارداتِ غیبی اس پر وارد ہوتی ہیں۔ عارف باللہ اسمِ اَللّٰہُ ذات کے تصور سے ایک ہی دم میں ہزار ہا، بلکہ لاکھوں کروڑوں مقامات طے کرا دیتا ہے اور غل وغش، غلاظت، کدورت اور خناس

Marfat.com

خرطوم کے واہمات وخطرات کا زنگار دور کر دیتا ہے۔اس کا پر نور دِل اسمِ اَللّٰہُ ذات اور دائمی حضوری کے سوا اور کسی طرف مائل نہیں ہوتا۔اس مقام پر پہنچ کر دِل کو بہت سکون ملتا ہے اور وہ روشن ضمیر ہو جاتا ہے اور نفس پر حکمران ہو جاتا ہے۔یہ فنا فی اللہ فقیر کے مراتب ہیں جس کی نگاہ اثر پیدا کرتی ہے اور ایک نگاہ کرے تو اسکی تاثیر سے اس کے قلب وقالب میں اسمِ اَللّٰہُ ذات سرایت کر جاتا ہے اور تمام بدن اور دِل میں اسمِ اَللّٰہُ کا نقش خوش خط لکھا ہوا دیکھتا ہے لیکن یہ مراتب ناقص ہیں۔اگر چہ اسمِ اَللّٰہُ ذات کے تصور سے ذکر کی گرمی ہوتی ہے اور مردہ دِل میں بھی نظر کے ساتھ گرمی آجاتی ہے لیکن جب تک اسے مشاہدہ اور معرفتِ الٰہی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری حاصل نہ ہو،تب تک اس پر یقین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس قسم کے مراتب حرص و ہوا کے حامل مبتدی کے لیے فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور معرفتِ الٰہی سے دوری کا باعث ہیں۔(قربِ دیدار)

اب سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کی نایاب تصنیف ''سلطانُ الوَھم'' کا ترجمہ نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ''سلطانُ الوَھم'' میں بیان کی گئی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

عاجز
حافظ حماد الرحمٰن سروری قادری
ایم ایس سی (باٹنی)
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

سُلطانُ الوَھم
(کلاں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ وَالْعِرْفَانَ وَنَوَّرَ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْفُرْقَانِ وَبَلَّغَھُمْ اِلٰی مَنَازِلَۃِ الْعُرُوْجِ بِخَفِیِّ الْمُدْرِکْ بِنُوْرِ سِرِّیَاتِ مَعَ جُزِیَّاتِ الْمَظَاھِرِ اِلٰی عَالَمِ الْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَلَاھُوْتِ بِتَمَثُّلَ اٰیَۃً وَجَذَبِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْاَوْلِیَآءِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ بِابْتِلَاءِ الْمُحَبَّۃِ الْخَاصَ الْمَشْرُوْعِ فِیْ عَالَمِ الْکَوْنِ وَخَاصَۃُ الْمُوَحِّدِیْنَ بِاَعْطَاءِ الْاَحْدِیَّتِ الْمُطْلَقَۃِ الْمُحَبَّۃِ بَلْ تُقَبَّلَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی اَحْمَدِ مُجْتَبٰی اَلْمُفْتِحُ بَابُ الْکَمَالَاتِ بِعِرْفَاتِ الْجَمَالِ عَلَی الْکَمَالَاتِ وَالتَّحِیَّۃُ عَلَی الْمُصْطَفٰی اَلْھُدٰی بِھِدَایَتِ السَّبِیْلِ وَالْعَالِیْ بِنِھَایَتِ نَزَلَ اِلٰی مَعَارِجِ مَقَامَاتِ الْاَحْدِیَّتِ الْمُطْلَقَۃِ بِسَیْرِ الْاَوْھَامِ الْمُدْرِکْ بِنُوْرِ الْاَرْوَحِ الْمُقَدَّمَۃِ اِعْلَمْ اَوْحَلَّکَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِعِلْمِ الْاَوْھَامِ الْکُلِّیَۃِ الْمُدْرِکَۃِ اِلٰی عَالَمِ اَلْطَافِ الْحَقِیْقِیْ

ترجمہ: ''تمام حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے کتاب نازل کی اور اپنی معرفت سے مومنین کے قلوب کو منور فرمایا، اور انہیں مخفی ادراک عطا فرمایا اور مثالوں کے ساتھ اپنی نشانیاں واضح فرمائیں جن کی بدولت وہ منازلِ عروج کو پہنچے اور عالمِ ملکوت، جبروت اور لاھوت کے تمام مظاہر کے سِرّ کو پالیا اور عالمِ کون میں انبیاء، اولیاء اور مومنین کو اپنی محبتِ خاصہ میں مبتلا کر کے اپنی طرف کھینچ لیا۔ مواحدین کو اُسی خاص اور مقبول محبت کے نتیجے میں احدیتِ مطلقہ (توحیدِ مطلق، ذاتِ حق) عطا کی۔ اور لاکھوں درود و سلام احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کمال کے دروازے کو کھولنے والے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہادی ہیں اور ہدایت فرماتے ہیں ایسی راہ کی جانب جو بمنزلہ سیڑھی

Marfat.com

ادراک عطا کرتی ہے نورِ ارواح کا سیرِ اوھام کے ذریعے اور احدیتِ مطلق تک پہنچتی ہے۔ جان لے اللہ تجھے حال عطا فرمائے کہ لطیف عالمِ حقیقی (ذاتِ حق) کا مکمل ادراک علمِ اوھام حاصل کر لینے میں ہے''۔

اے میری جان! چند کلمات اوھام کے بارے میں مختصر کر کے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جان لو کہ مقرب ترین راہِ طریقت اور موصل ترین راہِ حقیقت دِل کی راہ ہے۔ اور بغیر دِل کی راہ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصال ممکن نہیں بلکہ محال ہے۔ وھم سے دِل کی سیر ممکن ہے جو صرف سلطانِ وھم[1] شاہِ ظن[2] کے واسطہ سے ممکن ہے۔

اَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ (ترجمہ: میں اپنے بندے سے اسکے ظن اور گمان کے مطابق پیش آتا ہوں[3]۔)

اس راستہ کی اصل اور بنیادی چیز ہمت[4] ہے کہ جس کے بغیر سلطنتِ وھم کے صحرا میں قدم رکھنا ممکن نہیں ہے۔ ''وَلِذٰلِكَ كَمَا كَانَتْ اَوْهَامُ اَقْوٰى سُلْطَانًا فِيْ هٰذِهِ النَّشْأَةِ'' ترجمہ: سُلطانُ الوَھم ہی اس راستے کی ہر ایک چیز پر قوی اور غالب ہے۔ یہ قول سلطان الوَھم پر ہی دلیل ہے۔

اے جانِ عزیز! یہ راہ وہ راہ ہے کہ جس کی ابتدا اور انتہا پیرِ کامل ہے کہ ''اَلشَّیۡخُ اَبۡلَغَ فِیۡ هٰذِهِ الطَّرِیۡقِ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ'' (ترجمہ: پیرِ کامل ہی اس راستہ کی ہر ایک چیز کے بارے میں مکمل آگاہی رکھتا ہے)۔ پیرِ کامل اور مرشدِ واصل کی علامت یہ ہے کہ وہ مرید کو عالمِ اوہام تک پہنچاتا ہے اور اس کو فتحِ قلب عطا کرتا ہے، اس جگہ اس کا دِل ہمتِ موثرہ کے ساتھ سیر ہو کر آرام حاصل کرتا ہے۔ اور فتحِ قلب یہ ہے کہ پیرِ کامل ''بُحکمِ اَلشَّیۡخُ یُحۡیِ وَیُمِیۡتُ'' (ترجمہ: ''پیرِ کامل زندہ

---

[1] سلطانُ الوَھم سے مراد مرشد کامل اکمل ہے۔ [2] شاہِ ظن بھی مرشد کامل اکمل کو کہتے ہیں۔ [3] حدیثِ قدسی [4] راہِ فقر میں بہت سے امتحانات، مشکلات پیش آتی ہیں طالبِ مولیٰ کا کام ہے کہ اُن سے نمٹ کر آگے بڑھتا جائے۔ حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ ان مشکلات، امتحانات اور ناموافق حالات کو اپنے موافق کرنے اور ان تمام منفی قوتوں سے رخ پھیر کر اپنی پوری قوتوں اور جملہ قوائے روحانیہ کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ رہنے کو ہمت کہتے ہیں۔

Marfat.com

کرتا اور مارتا ہے" یعنی پیرِ کامل دِل کو زندہ کرتا اور نفس کو مارتا ہے)۔

مذکورہ بالا حکم کے ساتھ مرید کے دِل کو اپنے تصرفِ اوہام سے حق تعالیٰ کی یاد کے ساتھ اس طرح زندہ کرتا ہے کہ اس کا کوئی سانس یادِ حق تعالیٰ کے بغیر نہیں آتا۔ خواب اور بیداری ہر حال میں ذکرِ اَللّٰہُ کر کے دائمی سیرِ اوہام حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مرید کے دِل میں ایسی بصیرت یعنی قوتِ ہمیشہ پیدا ہوتی ہے کہ تمام جامع عالمِ الطاف (ذاتِ حق) کا معائنہ کر لیتا ہے۔ اسی قوتِ ہمیشہ کے سبب اسی وقت اُسے جمالِ حق مسلسل حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت پیرِ تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فتحِ دِل کے بارے میں فرماتے ہیں: "رَاٰیِ قَلْبِیْ رَبِّیْ" (ترجمہ: میں نے اپنے ربّ کو اپنے دِل میں دیکھا[1]) اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی یہی بات فرماتے ہیں: اُوْحِیَ بِرُؤْیَتِیْ اللّٰہِ تَعَالٰی اَنْظَرِیْ مَعْرِفَتَنِیْ قُلْتُ لَارُؤْیَتَ قَالَ قَلْبَكَ فِیْ شَاھِدَتِیْ وَبِرُؤْیَتِیْ" (ترجمہ: اللہ نے مجھ پر وحی کی اور پوچھا کیا تو نے میرا دیدار کیا ہے اور میری معرفت پائی ہے؟ میں نے عرض کی کہ "نہیں" تو فرمان ہوا کہ تیرا دِل تو میرا مشاہدہ کرتا ہے لہٰذا تو اپنے دِل میں میرا دیدار کر)۔

اے جانِ عزیز! تمام انبیاء اور اولیاء کرام نے وھم ہی کے ذریعہ سیرِ دِل حاصل کی۔ سیرِ دِل کے دوران اس حکم کے مطابق " مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ" (ترجمہ: جس نے دو دِن ایک ہی مقام پر استویٰ کیا تو اس کا نقصان ہو گیا) سالک اس مملکت میں نقصان میں ہے۔ اگر سیرِ دِل کے دوران اسی حکم مَن استویٰ (قیام کیا) کے مطابق دِل سکون پائے تو یہ حرام ہے۔ "اَلسُّکُوْتُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِیَآءِ" (ترجمہ: اولیاء کے دِلوں پر سکوت حرام ہے)۔ پس سالک کو کوشش کرنی چاہیے کہ سیر حاصل ہو اور سیرِ دِل سلطانُ الوَھم کے واسطہ سے حاصل ہوتی ہے۔

سیرِ اوہام کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ (ترجمہ: ایک لمحے کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے[2]) تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةٍ (ترجمہ: ایک لمحے کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے[3]) تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ

۱، ۲، ۳۔ حدیث مبارکہ

Marfat.com

الثَّقَلَيْنِ (ترجمہ: ایک لمحے کا تفکر ثقلین (دونوں جہانوں) کی عبادت سے بہتر ہے[1])۔
(1) وَتَفَكَّرُوْا مُبْتَدِئٌ (اور ابتدا کا تفکر)۔ (2) وَتَفَكَّرُوْا مُتَوَسَّطُ (اور متوسط کا تفکر)۔ (3) وَتَفَكَّرُوْا مُنْتَهِيٌّ (اور انتہا کا تفکر)۔ تَفَكَّرُوْا مُبْتَدِي (ابتدائی درجہ کا تفکر) وھم کے راستہ میں ایک سالہ عبادت کے برابر ہے۔ وَتَفَكَّرُوْا مُتَوَسَّط (اور متوسط درجہ کا تفکر) ساٹھ سالہ (60) عبادت کے برابر ہے۔ وَتَفَكَّرُوْا مُنْتَهِي (اور انتہائی درجہ کا تفکر) جن وانس کی عبادت کے برابر ہے۔ پس اوپر ذکر کی گئی احادیث کے حکم کے مطابق اس راہِ حق (راہِ فقر) کے طالبوں، سالکوں کو تین (3) اصل میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اصل مبتدی، اصل متوسط، اصل منتہی۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تمام اپنے مقام پر بیان ہوں گی۔ اَللّٰهُ التَّوْفِيْقُ بِالْاِتْمَامِ (ترجمہ: اللہ مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے)۔ ملائم طبیعت[2] والے مریدِ کامل کی تسکین کے لیے چند آیات اور احادیث اور اقوال تبرکاً اور بطور استدلال اقتباس کر دیئے ہیں اور ایسا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس راہِ طریق کو بیان کر دیا جائے۔

اے جانِ عزیز! تجھے معلوم ہے کہ یہ کون سا راستہ ہے اور یہ راہِ وصال و معرفت کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ یہ چیز یعنی راہِ خدا تعالیٰ دِل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس راہ کو دیکھ پھر اسے مضبوطی سے تھام۔ اس راہ کا حصول پیرِ کامل کے واسطہ سے ہے کہ وہ اس کا رہبر ہے اور اس راہ کی پرورش قدمِ ہمت کے ساتھ کرتا ہے۔ "فَالْوَهْمُ هُوَ السُّلْطَانُ الْاَعْظَمُ فِيْ هٰذِهِ الشَّارِتِ الصُّوْرَتِ الْكَامِلَةِ الْاَنْبِيَاءِ" (ترجمہ: پس اس راہ میں وھم ہی سلطانِ اعظم ہے جس کی اکمل ترین صورت انبیاء ہیں)۔ اس کے بارے میں ارشادِ باری ہے کہ "اَلشَّيْخُ فِيْ قَوْمِهٖ كَالنَّبِيِّ فِيْ اُمَّتِهٖ" (ترجمہ: شیخ (مرشد کامل) اپنی قوم میں ایسے ہوتا ہے جیسے کہ نبی اپنی امت میں)۔

چنانچہ جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہبر ہیں اسی طرح مرید کا رہبر پیر ہے، حق میں

---

[1] حدیث مبارکہ [2] ایسا طالبِ صادق جو مرشد کی رضا کے آگے سرِ تسلیم کر دے۔

Marfat.com

پیوست[1] ہو کر نفس کو ترک کیے بغیر اور راہبر کے بغیر اس راہ پر چلنا پُر خطر ہے۔ چنانچہ شیخ بازید رحمتہ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا اَیُّ الطَّرِیۡقُ اِلَیۡكَ (ترجمہ: الٰہی تیری طرف آنے کا کونسا طریقہ ہے) فرمان ہوا دَعۡ نَفۡسَكَ وَ تَعَالِ (ترجمہ: نفس کو چھوڑ اور میری طرف آ جا)۔ اور عین القضات میں ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''راہِ خداوند تعالیٰ نہ عرش میں ہے اور نہ مغرب میں اور نہ جنوب میں اور نہ ہی شمال میں ہے، راہِ خداوند تعالیٰ دِل میں ہے، پس طالبِ مولیٰ کو شب و روز اعمالِ دِل میں کوشاں[2] رہنا چاہیے، وھم کے ذریعے سے ہی حق تعالیٰ کا وصال و معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اگر کوئی عملِ جوارح (ظاہری اعمال) میں مشغول رہتا ہے اور کوشش کرتا رہتا ہے اور علمِ اوہام سے بےخبر رہتا ہے اور اپنی باطنی اصلاح کی خواہش نہیں کرتا تو گویا اس نے اپنی عمر برباد کر لی اور اسی میں ہی مشغول رہا اور ظاہر ہی کی متابعت کرتا رہا۔ چنانچہ یہاں یہ مسئلہ لکھا گیا ہے کہ کچھ بظاہر تو فقیر نظر آتے ہیں مگر ان کے دِلوں میں رنج ہوتا ہے اور وہ باطنی اصلاح کا قصد نہیں کرتے پس وہ باطن سے فارغ ہیں۔ مردانگی یہ ہے کہ عام لوگوں میں رہ کر خاص لوگوں والے کام کرو۔ نیز رسالہ ''سکیہ وعوارف'' میں لکھا ہے: ''اِذَا جَاءَتِ الۡعَامِلَاتُ اِلَی الۡقُلُوۡبِ اِسۡتَوَاحَةِ الۡجَوَارِحِ فَحِیۡنَئِذٍ یَشۡتَغِلُ بِعَمَارَتِ الۡبَاطِنُ وَ مِیۡشَارَتِ وَمَرَاعَاتِ الۡاَسۡرَارِ وَعَدَدَ الۡاَنۡفَاسِ'' (ترجمہ: جب آدمی اعمالِ دِل تک پہنچتا ہے تو جوارح رک جاتے ہیں یعنی اعمالِ ظاہر ترک کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ اپنا باطن آباد کرنے میں مشغول رہتا ہے تو اس پر باطنی بھید منکشف ہونے لگتے ہیں اور وہ اپنے ہر ایک سانس کا محاسبہ کرنے لگتا ہے تاکہ اس کا کوئی سانس بھی اللہ کے مشاہدے کے بغیر نہ گزرے)۔

اے جانِ عزیز! یہ بات یاد رکھ کہ عشق اور معرفت دِل کا کام ہے، جب تک اس راہ کے زنگار[3] (ظاہری اعمال، اعمالِ جوارح) وعظ و نصیحت کی خماری، ظاہری اعمال میں ہوشیاری دکھانا جیسے اعمال سے باز نہیں آئے گا سیرِ وھم سے محروم رہے گا۔ پیرِ کامل کی طلب میں کوشش کرنی چاہیے

---

[1] فنا ہو کر (موتوا قبل ان تموتوا) [2] کوشش کرتے رہنا [3] زنگ

Marfat.com

جس کے بارے میں حکم ہے " اُطْلُبُوا الْعِلْمَ لَوْ بِالصِّیْنِ " (ترجمہ: علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے)۔ اس کی تفسیر اگرچہ بہت وسیع ہے جو اوراق پر قلم کی مدد سے نہیں لکھی جا سکتی سوائے اس کے کہ توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہو۔ یہ حکم دِل کے کانوں سے سننا چاہیے اور اس پر کاربند رہنا چاہیے اور یہ رسالہ اوہامِ احمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رسالہ کے مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کا یہی ذریعہ ہے۔ اس رسالہ کو " بحرِ احمدی " کا خطاب دیا تا کہ طالبانِ مولیٰ اس رسالہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اور سیرِ وھم حاصل کر سکیں " وَاللّٰہُ الْھُدٰی " (ترجمہ: اور ہدایت تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے)۔ صادق طالب اور عاشق کے اوہام کے بارے میں ہی بیان ہوا ہے کہ "اِعْلَمْ رِزْقُ اللّٰہِ سَیْرُ الْقَلْبِ بِسُلْطَانُ الْوَھْمِ بِلَا اِسْتَوَا وَقُصُوْرٌ" (ترجمہ: اللہ کے رزق سے علم حاصل ہو اور سلطانُ الوَھم کے وسیلہ سے مکمل طور پر سیرِ قلب حاصل ہو)۔

اے جانِ عزیز! اس راہ میں سب کچھ پیرِ کامل ہے۔ جس کے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا ضلالت[1] اور حسرت کا موجب ہے۔ جب پیرِ کامل مریدِ صادق کا ہاتھ پکڑے تو پھر مرید اپنے پیرِ کامل کی خدمت خلوص کے ساتھ کرے۔ پیرِ کامل خود مرید میں اپنے تصرف سے اوہام کو جاری کر دیتا ہے اور اس کے دِل میں صدق داخل کر دیتا ہے جس کے واسطہ سے طالبِ مولیٰ دائمی وھم کا اسیر ہو جاتا ہے اور پیرِ کامل اس کو ہمتِ مؤثرہ سے تمام مقامات طے کروا دیتا ہے۔ " اَصْبَحُوْ مَعَ اللّٰہِ وَاِنِ اسْتَطِیْعُوْا فَاصْبَحُوْا مَعَ اللّٰہِ مَنْ صَحَبَ اللّٰہِ " (ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کی صحبت اختیار کرو اور اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتے تو اللہ کے مصاحب (انسانِ کامل) کی صحبت اختیار کرو)۔ جب مرشد کامل کی صحبت حاصل ہوتی ہے تو ابتداء میں مرشد کامل مرید کے دِل میں اپنے تصرفِ اوہام سے ذکرِ خفی (ذکرِ سلطان الاذکار و تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات) جاری کرتا ہے اور مرید بغیر کسی تکلیف اور ریاضت کے ذاکر بن جاتا ہے جس کا ہر دم (سانس) اللہ کی یاد کے ساتھ نکلتا ہے۔ کیونکہ اَلْاَنْفَاسُ مَعْدُوْدَۃٌ کُلُّ نَفْسٍ یَخْرُجُ بِغَیْرِ ذِکْرُ اللّٰہِ فَھُوَمَیِّتٌ (ترجمہ: سانس گنتی کے ہیں

---

[1] گمراہی

Marfat.com

اور جو سانس ذکرِ اللہ کے بغیر خارج ہو وہ مردہ ہے[1])۔ جب مرید کو اس بات کا پتہ چلتا ہے تو مرید کا دِل حق کے ساتھ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتا ہے۔ ''اَلنَّاسُ نِيَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا انْتَبِهُوْا'' (ترجمہ: تمام انسان غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں پس بوقتِ موت بیدار ہوتے ہیں[2])۔ خوابِ غفلت دِل سے دور ہو جاتی ہے اور دِل زندہ ہو جاتا ہے۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (سورۃ الانعام۔122) (ترجمہ: بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کر دیا) اس بات کی تحقیق کرو اور نعمت جانو کہ ''اَلشَّيْخُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ اَیْ يُحْيِي الْقَلْبَ الْمَيِّتَ الْمُرِيْدُ بِذِكْرِ اللّٰهِ '' (ترجمہ: شیخ ہی زندہ کرنے والا اور شیخ ہی مارنے والا ہے، شیخ مرید کے مردہ دِل کو اللہ کے ذکر سے زندہ کرتا ہے)۔ شیخ مرید کو معرفت عطا کرتا ہے، اس کے نفس کو موت دیتا ہے اور اسے شیخ اپنے مقام پر مقرر کر دیتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے مطابق اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے دِل پر نقش ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر (مرشد کامل، پیر کامل) اپنے تصرف کے ساتھ مرید کے دِل میں پاس انفاس (ذکرِ سلطانُ الاَذکار) کو جاری کر دیتا ہے، یعنی ذاکر کو وھم حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا ہر خارج اور داخل ہونے والا سانس حق تعالیٰ کی یاد میں ہی مشغول ہوتا ہے اور اس کا کوئی سانس حق تعالیٰ کی یاد کے بغیر نہیں نکلتا۔ اس طرح اس کا دِل زندہ ہوتا ہے۔ پس جب دم باہر آتا ہے تو ذکر لَآ اِلٰهَ سے باہر آتا ہے اور جمیع خواطر کو لَآ اِلٰهَ (نفی) کے جھاڑو سے دِل صاف کر دیتا ہے اور تمام اغیار اور گندگی کو باہر نکال دیتا ہے۔ یا پھر جب سانس اندر لے کر جاتا ہے تو اللہ کی یاد سے معمور ہوتا ہے جس کا باعث یہ قول ہے کہ مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرُهٗ (ترجمہ: جو جس شے سے محبت کرتا ہے اتنی ہی کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے)۔ ذکرِ خدا کی بنیاد مرید کے دِل میں اس حکم سے رکھی جاتی ہے کہ اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِیْ (ترجمہ: جو کوئی میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔) اس طرح وہ حق تعالیٰ کا ہم نشین ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا محبّ ہو جاتا ہے۔ مَنْ اَنَسَ بِاللّٰهِ مُتَوَحِّشُ عَنْ غَيْرُ اللّٰهِ (ترجمہ: جو اللہ سے محبت کرتا

---

[1] [2] حدیث مبارکہ

Marfat.com

ہے وہ غیر اللہ سے وحشت کرتا ہے)۔اس کے مطابق وہ ہر غیر سے منقطع ہو جاتا ہے۔اور سالک کی انتہا کیا ہے؟ یہ کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی ملازمت میں پائے۔سیرِ وھم ہی وہ کمال مقام ہے کہ جس کی بدولت صوفی ہر دم دو(2) خوشیاں تحقیق کرتے ہیں۔

صوفیاں در دَمی دو عِید
عنکبُوتاں مگس ندید کُند

ترجمہ:صوفی ہر دم میں دو خوشیاں پاتے ہیں کہ جس کو مکڑیاں اور مکھیاں پہچان اور دیکھ نہیں سکتیں۔

اے جانِ عزیز! جب مریدِ صادق کا دِل پیرِ کامل کے تصرف سے دائمی ذکر حاصل کرتا ہے تو عِبَادَۃُ الْفَقْرِ نَفِیُ الْخَوَاطِرُ (ترجمہ:دِل کی خواہشات کو ختم کرنا ہی فقر کی عبادت ہے) کے جھاڑو سے اغیار کے خس و خاشاک کو اپنے دِل سے باہر نکال دیتا ہے اور نورِ ذکر اس کے دِل پہ اس طرح قابض ہو جاتا ہے کہ کوئی غیر اس کے دِل میں داخل ہونے کی مجال نہیں کرتا اور اس جگہ پر کوئی غیر دخل اندازی نہیں کر سکتا اور سالک دائم الصلوٰۃ ہو جاتا ہے۔"وَھُمْ فِی الصَّلٰوۃِ دَائِمُوْنَ" (ترجمہ:اور وہ ہمیشہ دائمی نماز میں رہتے ہیں)۔تب دائمی نماز اس پر مقرر ہو جاتی ہے اور اس کا وجود غیر سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کا دِل اصل خوشی پاتا ہے۔

اَز دِل بیرون کُنم غمِ دُنیا و آخرت
یا خانہ جائے رخت بود یا خیالِ دوست

ترجمہ:میں نے اپنے دِل سے دنیا و آخرت کے غم کو نکال دیا ہے کیونکہ گھر میں یا تو مال وزر (دنیاوی اشیاء اور رشتوں کا تصور) رکھا جاتا ہے یا اپنے دوست کا خیال (تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات) سجایا جاتا ہے۔اور اس حکم "اَلْمُؤْمِنُ حَیٌّ فِی الدَّارَیْنِ" (ترجمہ مومن دونوں جہان میں زندہ ہے) کے مطابق ہمیشہ کی زندگی اور دولتِ سرمدی اسے حاصل ہوتی ہے۔یہ مقامِ فقر ہے کہ جہاں اسے کسی کی احتیاج نہیں رہتی۔"اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہُ" (ترجمہ:جہاں فقر مکمل ہوتا ہے وہیں اللہ ہوتا ہے)۔

109112

Marfat.com

با دوست گنجِ فقر بہشت است و بوستان

بے دوست خاک بر سرِ جاہ و تونگری!

تا دوست درکنار نباشد بکامِ دِل!

از ہیچ نعمتے نتوانی کہ بَر خواری!

ترجمہ: دوست[1] کے ساتھ فقر کا خزانہ جنت اور باغات ہیں مگر دوست کے بغیر شان وشوکت اور بادشاہی سر میں خاک ڈالنے کے مترادف ہے۔ جب تک دوست کے سوا تمام چیزیں دِل سے نہ نکال دی جائیں تب تک تمام نعمتیں ہیچ ہیں اور اس وقت تک (جب تک تمام چیزیں دل سے نکل نہ جائیں) دوست کی ہمنشینی کی آرزو رکھنا خواری ہے۔

اے جانِ عزیز! پیرِ کامل جب مریدِ صادق پر اوّل تصرف فرماتا ہے تو سیرِ اوہام عطا کرتا ہے مگر ایسا قیل وقال والا پیر جو اپنے مرید کو عملِ جوارح (ظاہری اعمال) کی ترغیب دے اور اسے زبانی ذکر میں مشغول کردے اور نہ سیرِ دِل، نہ سیرِ وھم اور نہ ہمتِ مؤثرہ کے ساتھ مرید کے دِل کو راہِ حق تعالیٰ دکھائے وہ لائقِ ارشاد ہی نہیں۔ اے جانِ عزیز! اگر مصفا آئینہ دِل پر کدورت (گناہ یعنی اللہ کے سوا کسی کو دیکھنا اور چاہنا) کی وجہ سے زنگار لگ گیا ہو تو اسے صیقل[2] کرنا چاہیے۔ اے جانِ عزیز! چونکہ حدیث مبارکہ ہے کہ قَالَ النَّبِیُّ صَلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لِکُلِّ شَیْیءٍ مَصْقَلَۃٌ وَمَصْقَلَۃُ الْقَلْبِ ذِکْرُاللّٰہِ'' (ترجمہ: ہر چیز کی صفائی کے لئے ایک آلہ ہوتا ہے اور دِل کی صفائی کا آلہ ذکر اَللّٰہُ ہے)۔ سب سے پہلے مرید کے دِل کو صاف کیا جاتا ہے اور جب مرید کا دِل صیقل ہو جاتا ہے تو اس کا آئینہ روشن ہو جاتا ہے جس سے اس کے دِل میں تجلیٔ حق تعالیٰ نمودار ہوتی ہے اور پھر بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا۔

سعدی حجاب نیست تو آئینہ صاف دار

زنگار خوردہ کے نماید جمالِ دوست

---

[1] یہاں دوست سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے [2] صاف

Marfat.com

ترجمہ: اے سعدی اگر تو دِل کا آئینہ صاف کر لے تو کوئی حجاب نہیں ہے۔ زنگار شدہ آئینہ میں جمالِ دوست (لقائے الٰہی) کیسے نظر آئے۔

اے جانِ عزیز! جب نورِ ذکر نورِ ذات کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے تو ذاکر صفتِ ذاتی کا حامل ہو جاتا ہے۔ وہ کسی وقت بھی حق سے جدا نہیں ہوتا اور نہ ہی لمحہ بھر کے لیے ذکر سے غافل ہوتا ہے اور اپنے دِل (باطن) میں تزکیۂ نفس، تصفیہ قلب اور تجلیہ روح حاصل کرتا ہے۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ (بنی اسرائیل۔81) (ترجمہ: اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا اور بیشک باطل بھاگنے والا ہی ہے)۔ نیز تصرفِ اوھام سے درجہ بالا ارشاد کی چابک سے طالبِ مولیٰ تمام غیر اللہ کو دِل[1] سے باہر نکال دیتا ہے۔

جائیکہ سلطان خیمہ زد غوغہ نماند

عام را نام و نشاں در دِل نماند

(ترجمہ: جس جگہ سلطان اپنا خیمہ لگاتا ہے وہاں کوئی شور وغل[2] نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب دِل میں اللہ آ جاتا ہے تو کسی غیر اللہ کا نام و نشان دِل میں نہیں رہتا)۔ ''اَلْمُؤْمِنُ حَیٌّ فِی الدَّارَیْنِ'' (ترجمہ: مومن دونوں جہانوں میں زندہ ہیں) درجہ بالا حکم کے مطابق مومن کو حیاتِ ابدی اور دولتِ سرمدی حاصل ہو جاتی ہے اور اس جگہ وہ فقر کی انتہا کو پہنچ کر کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ اسی نعمت کے بارے میں فرمان ہے: ''اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ'' (ترجمہ: جہاں فقر مکمل ہوتا ہے وہی اللہ ہوتا ہے)۔ جو مرشد اپنے تصرف سے مرید کو اس کے دِل میں ان مقامات اور منازل کی نشاندہی نہیں

---

[1] دِل سے مراد باطن ہے۔ باطن کے مختلف مراحل میں قلبی (ناسوت)، روحی (ملکوت)، سرّی (جبروت)، خفی (لاھوت)، یخفیٰ (وحدت) اور اَنَا (احدیت یا ھاھویت) ہیں۔ صوفیاء کرام نے باطن کے لیے مختلف اصطلاحات استعمال کی ہیں جن میں قلب، روح، دِل، ضمیر، خودی وغیرہ شامل ہیں مگر سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ نے باطن کے لیے دِل کا لفظ کثرت سے استعمال کیا ہے۔ [2] شور وغل نہ ہونا۔ سے مراد لی مع اللہ کا مقام ہے کہ جہاں ھُو کے سوا کچھ موجود نہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوْ کا مقام ہے۔

Marfat.com

کروا سکتا اور نہ ہی اُسے وھم کے ذریعے یکے بَعد دیگرے مشاہدات اور معائنہ کروا سکتا ہو وہ شیخ (مرشد) ارشاد کے لائق نہیں۔ ایسے مرشدِ ناقص کو طریقت کی راہ میں کسی کو مرید بنانا روا نہیں۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ مرشد کو اللہ کی طرف سے مخصوص اطلاع ہو اور ہر چیز کا اُسے علم ہو اور وہ اس پر کاربند ہو۔ اسے مرید کے ابتداء سے انتہا تک تمام احوال کی خبر ہو۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شیخ (مرشد کامل اکمل) کو مشرق سے مغرب تک ہر چیز کی اطلاع ہوتی ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ پیر کن اوصاف کی وجہ سے خام اور کن اوصاف کی وجہ سے نفع بخش ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ایسا پیر خام (ناقص مرشد) ہوتا ہے جو اپنے مرید کو ظاہری اعمال میں مشغول رکھے اور اس کے دِل کی اصلاح نہ کرے اور اُسے وھم نہ عطا کرے کہ جس وھم سے دِل کشادہ ہوتا ہے اور دِل کو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنے مرید کو عشق و محبت میں مبتلا کرنا ضروری نہیں سمجھتا بلکہ ظاہری اعمال کی محنت و مشقت پر زور دیتا ہے۔ جبکہ پیرِ کامل تو نائب اور خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوتا ہے اسی لیے پیر کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت اور نقشِ قدم پر ہونا چاہیے کہ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس راہ کے پیرِ تحقیق ہیں اور اس راہ کے مریدِ حقیقی خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ہیں یعنی پیر کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح ہونا چاہیے اور مرید کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی طرح ہونا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وھم کے ذریعے اپنے تصرف سے تمام مقامات اور منازل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو طے کروائیں اور فرمایا کہ "مَا فَضَلَ اَبَا بَكْرٍ بِكَثْرَةِ الصَّلٰوةِ وَلَا بِكَثْرَةِ التِّلَاوَةِ وَالصَّوْمِ وَلٰكِنْ شَيْءٌ وَقَرَ فِيْ قَلْبِهٖ" (ترجمہ: ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہٗ) کی فضیلت کثرتِ نماز، اور کثرتِ تلاوت اور روزہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے قلب میں قرار پانے والی ایک اعلیٰ چیز کی وجہ سے ہے جو کہ میری محبت ہے)۔ اگر کوئی پیر اس طریقہ امامت پر نہیں اور طالبِ مولیٰ کی طلب پوری نہیں کر سکتا وہ "طریقتِ دنیا" کے لائق ہے۔ اُسے اِس (اللہ کی) راہ میں کوشش نہیں کرنی چاہیے اور اسے طالبانِ مولیٰ کو اللہ تعالیٰ سے نہیں روکنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو

Marfat.com

اس طرح کی دلیری اور بہادری پسند نہیں ہے، یہ راہ یعنی محبت و معرفت تو عطا کی راہ ہے اس کا تعلق ظاہری کتب اور علم سے نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مرید صادق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مَا صَبَّ اللّٰہُ شَیْئًا فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا قَدْ صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ (ترجمہ: جو چیز اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالی اس کو میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے سینے میں ڈال دیا ہے)۔ پس اس سے پتہ چلتا ہے کہ طریقت اور وصالِ حق تعالیٰ کا راستہ دِل کا راستہ ہے۔ اور یہ پیر (مرشد کامل) کی عطا ہے جس کا ظاہری اعمال سے کوئی تعلق نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے: اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ (الانعام-122) (ترجمہ: بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا)۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کا دِل خدا سے غفلت کی وجہ سے مردہ ہو چکا ہو اس کو ذکر اور معرفت سے زندہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ ''اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ'' (ترجمہ: شیخ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے)۔ نیز یہ بات ثابت ہے کہ معرفتِ حق تعالیٰ صرف درویشوں کی عطا ہے چنانچہ کسی درویش سے پوچھا گیا کہ درویشی کیا ہے؟ اس نے فرمایا کہ درویشی اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے یعنی درویش وہ ہے کہ جو محبت اور معرفتِ حق تعالیٰ اللہ کے بندوں کو عطا کرے اور ان کو اس طرح دِل تک پہنچائے کہ دِل ان کے ہاتھ (قبضہ) میں آجائے اور دِل اس وقت تک ہاتھ میں (قبضہ میں) نہیں آتا جب تک اہلِ دِل[1] عطا نہ کرے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ انصاری پیر بدایوں کا فرمان ہے کہ ''نماز پڑھنا بیوہ عورتوں کا کام ہے اور روزہ رکھنا صرف روٹی بچانا ہے اور حج کرنا جہان کی سیر کرنا ہے اور دِل کو ہاتھ میں (قبضہ میں) لے لینا مردوں کا کام ہے''[2] اس کے بعد یہ فقیر (سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ دِل ہاتھ میں لینا بھی خام ہے اور مَردوں کا کام تو

---

[1] اہلِ دل سے مراد صاحبِ مسمّٰی مرشد کامل اکمل ہے۔ [2] نماز پڑھنا عورتوں کا کام، روزہ رکھنا روٹی بچانا اور حج کرنا جہان کی سیر کرنا کے مترادف صرف اس وقت ہیں کہ جب حضورِ قلب کے بغیر ذکر بالا عبادات کی جائیں جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے کہ انما الاعمال بالنیات (ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے)

Marfat.com

خود فانی ہو کر، بشریت سے آزاد ہونا اور عین حق ہو جانا ہے۔

چنانچہ شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے آپ (اپنی بشریت) سے نہایت بیزار ہو کر یہ فرمایا کہ مجھے دونوں جہانوں سے تین چیزیں چاہئیں اوّل کوئی بنیاد، دوم پھر اس پر عمل کرنا اور سوئم عین ہو جانا (فنافی اللہ، بقاباللہ ہو جانا)۔

نیز ہموں فرماتے ہیں کہ ''ہوا میں مکھیاں اڑتی ہیں، پانی میں تنکے (خس وخاشاک) بہتے ہیں (یعنی ہوا میں اڑنا اور پانی پہ مصلیٰ ٹھہرانا کوئی کمال نہیں)۔ دِل کو قبضہ میں کر' کہ جو کتاب کی مانند ہے اور اس پہ تمام عالم لکھا ہوا ہے۔'' وہ اس عالم ہیبت کو جان جاتا ہے کہ جو اِس لوح (دل کی تختی) پہ لکھا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے مگر اس کا خاتمہ خراب ہے۔

اے میری جان! ان دلائل سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ محبت اور معرفت دِل میں ہی حاصل ہوتی ہے نہ کہ ظاہر کی زیب وآرائش سے۔ اس راستہ کی سیر وھم سے حاصل ہوتی ہے۔ وھم ایک نور ہے جو دِل اور روح میں موجودگی کا اعلان کرتا ہے اور نورِ حق میں بھی یہی سرایت کرتا ہے۔ یہی نورِ وھم عالمِ الطاف کا ادراک کرتا، دیکھتا اور سنتا ہے۔ جب تک سلطان الوھم ولایتِ نفس اور دِل اور روح اور سِرّ پر قابض اور متصرف نہیں ہو جاتا اس وقت تک تزکیۂ نفس[1] اور تصفیۂ قلب[2] اور تخلیہ[3] اور تجلّیہ روح[4] حاصل نہیں ہوتا اور اس کا تعلق باطن سے ہے نہ کہ ظاہر سے۔ چنانچہ بیان کردہ وصال اور معرفت سے دِل کو دِل حاصل ہوتا ہے، روح کو روح حاصل ہوتی ہے، اور سِرّ کو سِرّ حاصل ہوتا ہے اور آنکھ کو آنکھ حاصل ہوتی ہے اور زبان کو زبان ملتی اور کان کو کان نصیب ہوتے ہیں[5]

اس کے معنی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائے ہیں کہ'' اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی

---

[1] حیوانی صفات کو اپنے بشری وجود سے ختم کرنا تزکیۂ نفس کہلاتا ہے۔ (سلطان الوھم خورد) [2] ماسویٰ اللہ ہر چیز کو اپنے دِل سے نکال دینا تصفیۂ قلب ہے (سلطان الوھم خورد) [3] ظاہر و باطن میں غیر اللہ سے چھٹکارا پانا تخلیہ کہلاتا ہے۔ [4] بشری صفات سے باہر آجانا تجلیہ روح کہلاتا ہے (سلطان الوھم خورد) [5] ظاہری حواس کو باطنی حواس حاصل ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ'' (ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر تو تمہارے دِلوں اور نیتوں پر ہوتی ہے)۔ پس حق تعالیٰ کی نظر دِل اور دِل کے اعمال پر ہوتی ہے نہ کہ ظاہر اور ظاہری اعمال پر۔ اے جانِ عزیز! یہاں اس بات کو یاد رکھ کہ اصلاح دِل اور اعمالِ دِل سے ظاہر کو تو فائدہ ہوتا ہے مگر ظاہری اصلاح سے دِل کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا چنانچہ حضرت رسالت پناہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے: اِنَّ فِیْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ اَلْمُضْغَۃُ اِذَا صُلِحَتْ صُلِحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ (ترجمہ: بیشک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب اُس کی اصلاح ہوتی ہے تو سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اگر اُس میں بگاڑ ہو تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ جان لو کہ وہ ٹکڑا قلب ہے)۔ اور دِل بادشاہ ہے تمام ظاہری اعضاء کا اور تمام ظاہری اعضاء رعیّت ہیں دِل کی۔ پس بادشاہ کی اصلاح سے تمام رعیت کو فائدہ ہوتا ہے، مگر رعیت کی اصلاح بادشاہ کے لیے مؤثر نہیں ہوتی اور فساد برپا ہو جاتا ہے۔ دِل اور ظاہری اعضاء کی بھی یہی مثال ہے۔ جب دِل میں عمل ہوتا ہے اور اصلاح ہوتی ہے تو اس کا اثر ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے مگر جب صرف ظاہری اعضاء کی اصلاح کی جائے تو اس کا دِل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

کوش تا دِل زندہ گردد تن جوادے بزنگ ہا
مُردہ را کے سُود دارد گوریا نقش و نگار

ترجمہ: اپنے تن کی ظاہری زیب وزینت کی بجائے اپنے دِل کو زندہ کرنے کی کوشش کر کیونکہ دِل کو زندہ کیے بغیر صرف تن کی زیب وزینت بالکل ایسے ہی بے سود ہے کہ جیسے مردہ کے لیے اس کی قبر پر نقش ونگار بیکار اور بے سود ہوتے ہیں۔

خواجہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زُبان از حرف آرائے بکُن خاموش یکچندی
چُو در ظاہر ستوی خاموش دَرباطن زُباں بینی

Marfat.com

مَن بَردَر دِل خویش پس گوش بنہادم

جاناں چنداں سُخن شُنیدہ ام امّا دِلت ندِیدم

ترجمہ: اپنی زبان کو حرف اگلنے سے خاموش کر دے کیونکہ اس گفتگو کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب تو ظاہر میں خاموش ہو جائے گا تو تیری باطنی زبان تجھے حاصل ہو جائے گی۔ میں نے جب اپنے دِل پر کان رکھا تو بہت کچھ سنا۔ میں نے بہت باتیں تو سن لیں مگر اپنے دِل کو نہ دیکھ سکا۔

اے جانِ عزیز! ایک روایت میں ہے کہ اصحاب رضی اللہ علیہم اجمعین بابِ نصرانی پر وضو فرماتے اور پیدل چل کر مسجد میں تشریف لے جاتے اور انہوں نے جو بھی علم حاصل کیا اسے دِل پہ اتارا۔ پس راہِ طریقت کا مقصود محض دِل کی آرائش اور صفائی ہے نہ کہ ظاہری اعضاء کی آرائش وصفائی اور زیب وزینت۔ ظاہری اعمال اور ظاہری زیب وزینت تو اپنی عمر ضائع کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خالی دِل پیش کرنا شرمندگی کا باعث ہے۔ چنانچہ انجیل میں درج ہے کہ جب مومن بندہ مرتا ہے تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ ایک بے کلام اور بے زبان فرشتہ کے ذریعے اس سے پچاس (50) سوال کرتا ہے جن میں سے ایک سوال یہ ہے کہ "اے بندہ میں نے ہمیشہ اپنی نظرِ حق تجھ پر رکھی مگر تو ظاہری اعمال میں ہی مشغول رہا۔ میں نے کبھی تجھے نا امید نہیں کیا مگر تو نے میری اطاعت نہ کی اور نہ ہی تو نے اپنے دِل کو میرے لیے آراستہ کیا کیونکہ یہی دِل میری طرف آنے کا راستہ ہے"۔ اس وقت بندہ کوئی جواب نہیں دے سکے گا اور خالی ہوگا، اس کے ظاہری اعمال بھی کسی کام نہ آئیں گے، دِل کے بغیر کیے گئے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور بندہ خالی ہاتھ پریشان کھڑا رہ جائے گا۔

اے جانِ عزیز! آئینہ جب زنگ کی وجہ سے آلودہ ہو جاتا ہے تو اسے صاف کروانے کے لیے دیتے ہیں۔ آئینہ صاف کرنے والا اگر آئینہ پیچھے (پشت) سے صاف کرے تو بے سود اور بے کار ہے کیونکہ اس طرح آئینہ کے سامنے سے زنگ نہیں اترتا اور اس میں چہرہ نظر نہیں آتا۔ چہرہ دیکھنے کے لیے آئینہ کو سامنے سے صاف کرنا چاہیے اور اس کا زنگ دور کرنا چاہیے۔ دِل، زبان اور ظاہری اعضاء میں ایسا اتصال نہیں ہوتا، یہ محض دِل کے ساتھ معاملہ ہے کیونکہ دِل (باطن) تو عالمِ لطیف

Marfat.com

ملکوت ہے اور زبان و ظاہری اعضاء عالمِ کثیف ناسوت ہے۔ پس عالمِ ملکوت اور عالمِ لطیف میں کس طرح صفائی کی جائے اور دِل کی صفائی کرنا بہت ہی محال ہے۔

اے جانِ عزیز! ایک حکایت ہے کہ ایک دفعہ چینیوں نے کہا کہ وہ نقش و نگار بہتر کر سکتے ہیں اور رومیوں نے کہا کہ وہ زیادہ بہتر نقش صاف کر سکتے ہیں۔ یہ خبر اس وقت کے بادشاہ تک پہنچی، بادشاہ نے ان دونوں کا مقابلہ کروایا اور دونوں کو ایک ایک دیوار دے دی، درمیان میں ایک پردہ حائل کر دیا۔ چینیوں نے نقش و نگار بنانا شروع کر دیئے اور رومیوں نے دیوار کو اتنا صاف کیا کہ چینیوں کے بنائے ہوئے نقش و نگار کے عکس رومیوں کی چمکائی ہوئی دیوار پر اور خوبصورت لگنے لگے۔ اس حکایت میں ایک عظیم راز ہے فَهِمَ مَنْ فَهِمَ (سمجھ گیا جو سمجھ گیا)۔

عاشق باقی روزِ الست سے مست ساقی شیخ فخر الدین عراقیؒ فرماتے ہیں کہ ''اے عراقی! یہ تمام نقش و نگار جو تجھے لوحِ ضمیر پہ نظر آتے ہیں انہیں پاک اور شفاف کر کے دیکھا تو نقش میں ہی نقاش کے وجود کو پایا''۔ یہ حکایت دلیل ہے دِل پر نہ کہ ظاہر پر۔ اے جانِ عزیز! نقل و عقل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام انبیاء، رسل، اولیاء اور شہداء کو کمال اسی ذکرِ دِل (ذکرِ خفی، سلطان الاَذکار) سے حاصل ہوا۔ اس راہ کا مقصود ذکرِ دِل ہے جو کسب سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ پیرِ کامل کی عطا ہے، زبان سے ذکر کرنا صرف ایک عادت ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ پس ایسا مریدِ صادق اور طالبِ عاشق جو ہمیشہ اس عادت (زبانی ذکر میں مشغول رہنا) میں کوشش کرتا رہتا ہے وہ اپنا وقت خود ضائع کرتا ہے کیونکہ مَالَا اِرَادَتِ تَرَكُ الْعِبَادَتِ (ترجمہ: جس کا ارادہ ٹھیک نہیں اُسے عبادت ترک کر دینی چاہیے)۔ عادت چھوڑ دینی چاہیے اور ایسی عادت سے دور رہنا چاہیے جو عبادت نہ ہو۔ مخصوص دلائلِ قطعی اور براہینِ عقلی یہ ثابت کرتے ہیں کہ ذکرِ جہر بے فائدہ اور وقت کا ضیاع ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اسے (ذکرِ جہر کرنے والے۔ حد سے بڑھنے والے) غافلوں کا کام فرمایا ہے۔ راہِ طریقت کے راہی اور حقیقت کے طالب کو یہ جاننا چاہیے کہ وہ اپنا وقت ایسے ذکر میں ضائع نہ کرے بلکہ ذکرِ دِل حاصل کرے اور اپنی زبان سے

Marfat.com

راز بیان نہ کرے اور ذکرِ جہر سے منع اور باز رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ O (الانفال۔2) (ترجمہ: جب اللہ کا ذکر آئے تو ان کے دِل ڈر جائیں) ایک اور آیت میں فرمایا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد۔28) (ترجمہ: خبردار اللہ (اسمِ اَللّٰہُ ذات) کے ذکر سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں) اور فرمایا اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ O (المجادلہ۔22) (ترجمہ: ان کے دِلوں میں ایمان لکھ دیا ہے)۔ قرآن پاک کی ایک آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکرِ جہر سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ O (اعراف 205)

(ترجمہ: ذکر کرو اپنے ربّ کا دل میں، سانسوں کے ذریعے بغیر آواز نکالے خفیہ طریقے سے عاجزی کے ساتھ اور غافلین میں سے مت بنو)۔

درجہ بالا آیت مبارکہ ذکرِ جہر سے منع کرتی اور ذکرِ دِل اختیار کرنے کا حکم دیتی ہے۔ تفسیر عرائس البیان میں تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً کی تفسیر میں نقل ہے کہ تَضَرُّعاً وَّ خِيْفَةً اَیْ عَرَفَهُمْ بِقُوَّةِ الْكِبْرِيَاءِ وَجَلَالِ الْعَظْمَةِ وَعَنِ الْقِدَمِ وَالْبَقَاءِ كُوْنُوْا فِيْ رُؤْيَتِهٖ هٰذَا الصِّفَاةُ عِنْدَ اِحْتِيَاجِكُمْ اِلَيْنَا بِنِعْمَةِ الْغِنَاءِ وَ يُحِيْطُ مَا لَا يَطَّلِعُ عَلٰى اَسْرَارِ نُفُوْسِكُمْ فَاِنَّ دَعْوَةَ الْمُضْطَرِ يَقَعُ عَلٰى مَصَانِعِ الْغُيُوْبِ حِيْنَ حَاجَةٌ بِوَصْفِ النُّطْقِ مِنْ لِّسَانِ الْقُلُوْبِ وَاِنَّ صَفِيَ الْوَقْتِ فِيْ التَّضَرُّعِ وَدَعْوَةُ الْحَقِيقَةِ وَ ذِكْرُ الْخَفِّيِ الَّدُنِّيْ وَضِيْفَتُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْخَيْرِ قَالَ الْخَيْرُ الذِّكْرُ الْخَفِيّ قَالَ اَبُوْ عُثْمَانُ التَّضَرُّعُ فِي الدُّنْيَا اَنْ لَا يَقْدِمَ اِلَيْهِ اَفْعَالَكَ وَصَلوٰتِكَ وَقِيَامِكَ ثُمَّ يَدْعُوْ اِلٰى اَثَرِهٖ وَاِنَّمَا تَضَرُّعاً اَنْ يَقْدِمَ اَفْتِعَارَكَ وَعَجُوْزَكَ فَاَفْتَلَكَ وَقَتَلَهٗ حَيَاتَكَ ثُمَّ يَدْعُوْا اَبَدًا عَلَيْهِ وَلَا سَبَبَ فَتَرْفَعُ دُعَائِكَ قَالَ وَاسِطِيْ تَضَرُّعاً بَدَلَ الْعُبُوْدِيَّتِ وَخَلَعَ الْاِسْتِطَاعَتِ خِيْفَةً اِلٰى خَفِيِّ ذِكْرِنِيْ صِيَانَتُ غَيْرَ الْاِتْدَاءِ وَبِقَوْلِ خَيْرَ الذِّكْرِ الْخَفِيِّ وَاِنَّ فِي الدُّعَاءِ مَقَامَاتٌ بَعْضُهُمْ يَدْعُوْا بِلِسَانِ الظَّاهِرِ وَبَعْضُهُمْ يَدْعُوْا بِاَشَارَةِ الْقَلْبِ

Marfat.com

وَبَعْضُھُمْ یَدْعُوْا بِاَشَارَۃِ السِّرِّ بَعْضُھُمْ بِقَہٗ نَعْتُ اَھْلُ الظَّاھِرُ التَّضَرُّعُ وَنَعْتُ اَھْلُ الْبَاطِنُ الْاِفْتِقَارُ وَالتَّخْوُعُ وَنَعْتُ اَھْلُ الْقَوْلِ الْفِکْرِ وَ نَعْتُ اَھْلُ الْقَلْبِ الذِّکْرِ وَنَعْتُ اَھْلُ الرُّوْحِ الشَّوْقِ وَ نَعْتُ اَھْلُ السِّرِّ فَنَآءِ یَدْعُوْا بِالْاِذْنِ O

(ترجمہ: ''عاجزی کرنے والے، گڑگڑانے والے' خوف رکھنے والے اور ڈرنے والے تو وہ ہوتے ہیں جو ذاتِ کبریا کی قوت' جلالت اور عظمت کو کماحقہ پاتے ہیں اور انہیں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ قِدم[1] بھی ہے اور اسے بقا بھی ہے' وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا بھی۔ چنانچہ وہ اپنی تمام تر بشری ضروریات سے قطع نظر اللہ کے مشاہدے اور دیدار میں کھو جاتے ہیں۔ پھر اللہ انہیں اپنی نعمتِ غناً سے نوازتا ہے جس کے سبب وہ کسی کے محتاج نہیں رہتے۔ اور اللہ ان سے فرماتا ہے کہ میں تمہارے مضطرب دل میں پیدا ہونے والے ہر خیال کو جانتا ہوں بلکہ تمہارے ان پوشیدہ بھیدوں سے بھی آگاہ ہوں جن کی خبر تمہارے اپنے نفوس کو بھی نہیں۔ پس بے شک مضطرب دِل کی پکار سیدھی عالمِ غیب تک پہنچتی ہے کیونکہ اس میں کوئی وقت نہیں لگتا اور ذکرِ خفی سے ہی علمِ لدّنی عطا ہوتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی ذکرِ خفی کو بہتر اور خیر والا فرمایا ہے۔ ذکرِ خفی اس لیے بہتر ہے کیونکہ اس کو دِل کی زبان سے کیا جاتا ہے (یعنی پاس انفاس کا ذکر جو سانسوں کے ساتھ ہر وقت کیا جاتا ہے)[2]

اور ابو عثمانؒ نے فرمایا کہ ''تضرُّع سے مراد یہ نہیں کہ آپ نیک اعمال کریں اور پھر اپنے انہی اعمال' نماز اور قیام وغیرہ کو دعاؤں کا وسیلہ بنائیں۔ بلکہ اصل تضرُّع یہ ہے کہ آپ اپنے تمام تر اعمال سے قطع نظر ہو کر ذکرِ خفی اختیار کریں اور اپنی زندگی کو قتل کریں[3] اور تمام غیر اللہ سے منہ موڑ کر خودی کو فانی کر دیں اور اللہ کی ذات میں مستغرق ہو کر بغیر کسی سبب کے پکاریں تو ایسی دعا بلند ترین اور مقبول دعا ہے جو دِل میں خفیہ پکار سے مانگی جائے''۔ اور واسطی کا کہنا ہے کہ ''تضرُّع سے

---

[1] قدیم ذات جو ہمیشہ سے ہے [2] اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ سانس گنتی کے ہیں اور جو سانس ذکر اللہ کے بغیر خارج ہوتا ہے وہ مردہ ہے (حدیث) [3] موتو اقبل ان تموتوا (مرنے سے پہلے مرجاؤ) کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

مراد اپنی عبادات کا عوض اور استطاعت کا چھوڑ دینا ہے۔ اور خیــفۃً سے ذکرِ خفی مراد ہے جو بہتر ذکر ہے اور بے شک دعا کے بہت سے مقامات ہیں۔ بعض تو صرف ظاہری زبان سے پکارتے ہیں، بعض دل کے اشارے سے اور بعض سِرّ کے اشارے کے ساتھ۔ اہلِ ظاہر کی تعریف تضرّع (عبادت کا عوض چاہنا یعنی طالبِ عقبیٰ) ہے، اہل باطن کی تعریف افتقار (انکساری) ہے۔ اہلِ قول کی تعریف فکر ہے، اہلِ قلب کی ذکر، اہلِ روح کی شوق اور اہلِ سِرّ کی تعریف فنا ہے۔ اور ہر کوئی اللہ کو اس کے حکم سے پکارتا ہے۔''

ایک اور آیت مبارکہ ہے: فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ O (الزمر۔22) (ترجمہ: تباہی و بربادی ان لوگوں کے لیے جن کے دِل اللہ کا ذکر نہیں کرتے)۔ ایک اور آیت مبارکہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکہف۔24) (ترجمہ: اور اپنے ربّ کا ذکر کر حتیٰ کہ تو اپنے آپ کو بھول جائے)۔ اس آیت مبارکہ میں بھی ذکر سے مراد ذکرِ دِل (سلطان الاذکار) ہے نہ کہ زبانی ذکر کیونکہ بھول جانے کی صفت دِل کی ہے نہ کہ ظاہر کی۔ ایک آیت مبارکہ ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا O (الاحزاب 70) (ترجمہ: اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی بات کہو) ایک اور آیت مبارکہ میں ارشاد ہے کہ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا O (الکہف۔28) (ترجمہ: ان لوگوں کا اتباع نہ کرو جن کے دِل اللہ کے ذکر سے غافل ہیں) یعنی ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی بات نہ مانو جن کے دِل اللہ کی یاد سے غافل ہیں۔'' یہ آیت مبارکہ بھی ذکرِ دِل پر ہی دلالت کرتی ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس راہ کے طبیب اور حاذق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ذکرِ دِل کرنے پر قید لگائی (زور دیا) ہے نہ کہ زبان کے ساتھ ذکر کرنے پر، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ اَلشَّيْطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ اِبْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ خَنَسَ وَتَوَلَّى الشَّيْطٰنُ وَ اِذَا غَفَلَ التَّقْسِيْمِ مُحَدَّثَهٗ وَمَنَاهُ O (ترجمہ: شیطان ابنِ آدم کے دِل میں پیوست ہے، جب بندہ ذکرِ اللہ کرتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے اور جب بندہ غافل ہوتا ہے تو انسان کے دِل میں اپنی باتیں یعنی خواہشاتِ نفس ڈال دیتا ہے)۔

Marfat.com

ایک دوسری حدیث مبارکہ ہے کہ لِكُلِّ شَيْءٍ مَصْقَلَةٌ وَ مَصْقَلَةُ الْقَلْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى O (ترجمہ: ہر چیز کی صفائی ایک آلہ سے ہوتی ہے اور دِل (باطن) کی صفائی ذکرِ اللہ سے ہوتی ہے) اسی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اَلْاَنْفَاسُ مَعْدُوْدَةٌ كُلُّ نَفْسٍ يَخْرُجُ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَهُوَ مَيِّتٌ O (ترجمہ: سانس گنتی کے ہیں اور جو سانس ذکرِ اللہ کے بغیر خارج ہوتا ہے وہ مردہ ہے)۔ دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اَفْضَلُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ الْخَفِيُّ هُوَ حَالٌ دَائِمٌ O (ترجمہ: افضل ترین ذکر، ذکرِ خفی ہے اور ذکرِ خفی دائم الحال ہوتا ہے "یعنی دائمی ذکر")۔ ایک دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا وَ كُنْ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّ جَمَعَ الْمَالِ وَ كُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ O (ترجمہ: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ میں اپنے رب کا کثرت سے ذکر کروں اور تاجر کی مانند نفع کا طالب ہو جاؤں اور یہ بھی وحی کی گئی کہ دنیا داروں کی طرح مال جمع نہ کروں اور اللہ کا شکر ادا کرتا رہوں)۔ اس جگہ پر زبانی اور اشارۃً فرمایا گیا ہے کہ ذکرِ دِل اختیار کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور 37) (ترجمہ: وہ ایسے لوگ ہیں کہ جنہیں تجارت (دنیاوی کام کاج) اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی) حق تعالیٰ کا یہاں یہ فرمان ہے کہ یہ مرد ہیں کہ جنہیں ان کا زبان سے بولنا اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ دورانِ تجارت زبان سے خرید و فروخت کرتے ہیں مگر ان کے دِل اللہ کی یاد میں دائمی ذکر میں لگے ہوتے ہیں۔ اور تجارت ان کے دِلوں کو اللہ کے دائمی ذکر سے خالی نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا O (ترجمہ: وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں) ذکرِ کثیر دائمی اور ہمیشگی ذکر کا تقاضا کرتا ہے۔ دائمی ذکر ذکرِ دِل کے بغیر محال ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ O (آلِ عمران۔191) (ترجمہ: وہ کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل لیٹے ذکرِ اللہ کرتے ہیں) یہ آیت مبارکہ بھی دائمی ذکر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ حال کسی کو بھی نصیب نہیں اور نہ ہی ممکن ہے کہ کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں

Marfat.com

کے بل لیٹے یعنی ہر وقت ربانی ذکر کرے مگر یہ حال صرف دِل کو حاصل ہے جو دائمی ذکر سے ایسا کر سکتا ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں ذکر کرتا رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ O (البقرہ۔152) (ترجمہ: پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور کفر نہ کرو)۔ یہ آیت مبارکہ بھی ذکرِ دِل کی دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں تقابل کا ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (سورۃ محمدؐ۔19) (ترجمہ: تو جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں)۔ یہ آیت مبارکہ بھی ذکرِ دِل کی خبر دیتی ہے۔ اس بیان کردہ علم کا تعلق دِل سے ہے نہ کہ زبان سے۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ O (طٰہٰ۔14) (ترجمہ: اور میرے ذکر کیلئے نماز قائم کرو)۔ یہ آیت مبارکہ بھی ذکرِ دِل کی خبر ہے کہ اسی ذکرِ دِل سے حضوری اور مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ لَاصَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ O (ترجمہ: حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی)۔ پس نماز قائم کرنے سے مراد اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ہے اور اس کا تعلق دِل سے ہے۔ اور اہلِ قلوب کی نماز یہ ہے کہ ان کے ظاہری اعضاء تو رکوع اور سجود کی حالت میں ہوتے ہیں اور زبان سے قرآن پاک کی قرآت کرتے اور اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور دِل سے حضورِ حق کا مشاہدہ ایسے کرتے ہیں کہ جب تک قیام کی حالت میں حضوری اور مشاہدۂ حق تعالیٰ کا عین الیقین[1] حاصل نہ کرلیں اس وقت تک رکوع میں نہیں جاتے۔ اور حالتِ رکوع سے اس وقت تک حالتِ سجدہ میں نہیں جاتے جب تک حالتِ رکوع میں حضورِ حق حاصل نہ کرلیں اور دیدارِ الٰہی کا عین الیقین سے معائنہ نہ کرلیں۔ اس وقت تک پہلے سجدہ سے دوسرے سجدہ کی طرف رخ نہیں کرتے جب تک وہ پہلے سجدہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں۔ کہ ارشادِ نبوی ہے اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ O (ترجمہ: نماز مومنین کی معراج ہے)، ایسی نماز ہی عبادت ہے کہ جس میں معراج نصیب ہو اور یہ مرتبہ (جس نماز میں

[1] یقین کی تین حالتیں ہیں (1) علم الیقین (علم کے بعد اس پر یقین کر لینا) (2) عین الیقین (دیکھ کر یقین کرنا) (3) حق الیقین (شک کی کوئی گنجائش نہ رہنا۔ کامل یقین کی حالت ہے)

Marfat.com

معراج یعنی دیدارِ الٰہی نصیب ہو) دِل میں حاصل ہوتا ہے اور اسی سے ہی حضوری نصیب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ نماز نماز نہیں جس میں حضوری نصیب نہ ہو۔ کیونکہ یَا لَیْتَنِیْ مَنْ لَّمْ یَرَی الرَّحْمٰنَ بِصَلٰوتِہٖ فَھُوَ لَیْسَ بِمُصَلٍّ اَصْلاً (ترجمہ: افسوس اُس نمازی پر جو اپنی نماز میں رحمٰن کو نہیں دیکھتا پس وہ اصل نمازی نہیں)۔ جس کو حالتِ نماز میں یا اس کے علاوہ اوقات میں اللہ کا دیدار نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اللہ کو پہچانتا ہے اور نہ ہی اسے حضوری حاصل ہے تو پس وہ اصل مقصد تک نہیں پہنچا، وہ طالب ہے عاشق نہیں۔ صاحبِ سوانح اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ اللہ کو دیکھنا اور اس کا دیدار کرنا عاشقوں کا کام ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا

سَبَقَ الْمُفْرِدُوْنَ قِیْلَ مَنَّ الْمُفْرِدُوْنَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا O

(ترجمہ: مفرد لوگوں نے سبقت حاصل کر لی۔ (صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پوچھا) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مفرد لوگ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے)۔ یہ حدیث مبارکہ بھی دِل سے ذکر کرنے پر دلیل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ O (فاطر 32) (ترجمہ: تو ان میں سے بعض اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں، بعض معتدل مزاج ہیں اور بعض خیر کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں)۔ شیخ بہاؤالدین قدس سرہ العزیز اس آیت مبارکہ کے معنی اپنی تصنیف ''عوارف المعارف'' میں ایسے بیان کرتے ہیں:

''نفس پر ظلم کرنے والے وہ ہیں جو دِل (باطن) میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور خیر میں سبقت لے جانے والے وہ ہیں جو (دائمی ذکر) لَا یَنْسٰی رَبَّہٗ (ترجمہ: اپنے رب کو کسی بھی حالت میں نہیں بھولتے) کو ہمیشہ مدِنظر رکھتے ہیں۔'' احمد بن عاصم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلظَّالِمُ صَاحِبُ الْاَقْوَالِ وَالْمُقْتَصِدُ صَاحِبُ الْاَفْعَالِ وَالسَّابِقُ صَاحِبُ الْاَحْوَالِ O (ترجمہ: صرف زبان سے اقرار کرنے والے بے عمل ظالم ہیں، کچھ عمل کرنے والے درمیانہ درجہ کے ہیں اور سبقت لے جانے والے (دائمی ذکر ''سلطان الاذکار'' کرنے والے) صاحبِ حال (دیکھ کر عبادت کرنے

Marfat.com

والے) ہیں۔اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ دِل ذاکر ہو جائے کیونکہ یہی مقصود و مطلوب ہے اور ذکرِ حقیقی سے مراد بھی یہی ذکر (ذکرِ سلطان الاذکار) ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ O[1] (ترجمہ: میں اس کا ہمنشین ہوتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے)۔اس کی تعریف یہ ہے کہ اَلْجَلِیْسُ مَشْھُوْرُ الذَّاکِرُ الحَقِ اَلَّذِیْ ھُوَ جَلِیْسٌ فَلَیْسَ الذَّاکِرُO (ترجمہ: اَلْجَلِیْسُ ایسے ذاکرِ حق کے لیے مشہور و مختص ہے جو دورانِ ذکر اللہ کا ہمنشین ہو) یعنی جو ذکر کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے دیدار میں بھی مگن ہو۔

ذکرِ حقیقی یہ ہے کہ دِل اللہ کی یاد سے زندہ ہو جائے اور ساری زندگی کے لیے دِل طیب و طاہر[2] ہو جائے اور ایسا نور نصیب ہو جائے کہ جس سے فنا کے بعد بقا حاصل ہو جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب رہے فِیْنَا وَالْعَیْشُ مَعَ اللّٰہِ بِاللّٰہِ وَذٰلِکَ مَعَ مَرْ یَانَ الْحَقِّ بِذِ کْرِاللّٰہِ فِیْ جَمِیْعَ الْعَبْدِ حَیَّتِیْ فَنَاہُ وَاحْیَاہُ قَالَ الْبَرِیْقِیُّ سُئِیلَ اَبُوْیَزِیْدُ عَنْ حَقِیْقَۃِ الْمَعْرِفَۃِ فَقَالَ الْحَیٰوۃُ بِذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنْ حَقِیْقَۃِ الْجَھْلِ فَقَالَ وَالْغَفَۃُ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِO (ترجمہ: اللہ کے ساتھ اللہ میں فنا ہونے سے مراد اللہ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کا دیدار بھی کرنا ہے۔کسی انسان کے لیے یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ فنا کے بعد ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائے)۔

بریقیؒ نے ابو یزیدؒ سے معرفت اور جہالت کی حقیقت کے بارے میں پوچھا تو ابو یزیدؒ نے فرمایا! ''ذکر اللہ کے ساتھ زندہ رہنا معرفت کی حقیقت ہے اور ذکر اللہ سے غفلت اختیار کرنا جہالت کی حقیقت ہے۔'' یہ قول بھی ذکرِ دل کی خبر دیتا ہے۔

اے جانِ عزیز! جب سالک (طالبِ مولیٰ) اس مقام پر پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اس کا ذکرِ اُنسی[3] ذکرِ قدسی[4] اور ذکرِ حقیقی میں بدل جاتا ہے۔اس جگہ دیدارِ الٰہی بھی

---

[1] حدیثِ قدسی [2] غیر اللہ سے دل کا پاک ہونا [3] ذکرِ اُنسی سے مراد عالمِ خلق کے اذکار اور اسمِ اَللّٰہُ ذات کی پہلی تین منازل اَللّٰہُ، لِلّٰہُ، لَہٗ کے اذکار ہیں۔ [4] ذکرِ قدسی سلطان الاذکار ھُو کو کہتے ہیں جو اسمِ اَللّٰہُ ذات کی آخری منزل ہے جو ذاکر کی اصل روح یعنی روحِ قدسی کرتی ہے۔

Marfat.com

نصیب ہوتا ہے اور یہ بیان کردہ ذکر ہی ذکرِ مطلوب ہے۔ ذاکر اس ذکرِ مطلوب کی تحقیق کر لیتا ہے اور اس ذکر کی حقیقت کو جان جاتا ہے۔ اس جگہ طالبِ مولیٰ اس قول کو پیشِ نظر رکھتا ہے کہ کون سا ذکر لسانی ذکر ہے، قلبی ذکر ہے اور روحی ذکر ہے۔ اس کی روح پروردگار کے حضور اللہ کی ذات میں اس قدر غرق ہو جاتی ہے کہ وہ زبانی ذکر نہیں کرتا کہ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَمْ يَقُلِ اللّٰهِ O (ترجمہ: جو اللہ کو پہچان لیتا ہے پھر وہ اَللّٰہُ اَللّٰہُ زبان سے نہیں کہتا)۔ اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ كَمَا قِيْلَ خَرَجَ سُهَيْلُ تُسْتَرِیْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ مِنَ الْمَسْجِدِ وَنَظَرَ اِلَى النَّاسِ فَقَالَ اَهْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَثِيْرٌ وَالْمُخْلِصُوْنَ قَلِيْلٌ اَوَلَمْ لِكُلِّ هٰذَا الْخِصَالُ اِلَّا الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَلِذٰلِكَ قِيْلَ لَهٗ فَاعْلَمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ مَحَلَّهٗ وَسْطُ الْقَلْبِ الذِّكْرُ الْخُرُوْجُ مِنْ مِيْزَانِ الْغَفْلَةِ اِلٰى قَضَآءِ الْمُشَاهِدَةِ عَلٰى غَلَبَةِ الْخَرَفِ وَالْيُشْرِ O (ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن حضرت سہیل تستریؒ نے لوگوں کو دیکھا اور فرمایا زبانی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر کرنے والے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے اور مخلصین (دل سے کلمہ پڑھنے والے لوگ) کی تعداد کم ہے۔ شاید حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ تمام لوگوں کا یہی حال ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ ''جان لیجئے! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ٹھکانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب میں ہے''۔ ذکر کو غفلت (بغیر مشاہدۂ حق تعالیٰ ذکرِ زبانی کرنا) سے نکال کر قضاء اور مشاہدہ کی طرف لے جانا چاہیے تاکہ دِل میں اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کا غلبہ ہو جائے)۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مَنْ اَكْثَرَ ذِكْرُ اللّٰهِ بَرِئٌ مِّنَ النِّفَاقِ O (ترجمہ: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو کوئی اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے وہ نفاق سے بچ جاتا ہے) یہ حدیث مبارکہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہر دم اور ہر وقت کثرت سے ذکر جاری رہے۔ نفاق دل کی صفت ہے نہ کہ زبان کی یعنی نفاق دِل میں جنم لیتا ہے۔ پس جب دِل میں ذکر جاری ہو جاتا ہے تو نفاق دِل سے دفع ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

خَیْرُالرِّزْقِ مَا یَکْفِی وَ خَیْرَالذِّکْرِمَایَخْفٰی دُوْنَ الْجَھْرِO (ترجمہ: بہترین رزق وہ ہے جو ضرورت کے لیے کافی ہو اور بہترین ذکر وہ ہے جو خفی ہو نہ کہ زبانی ذکر ہو) یہ حدیث مبارکہ بھی ذکرِ دل اختیار کرنے پر زور دیتی ہے اور ذکرِ جہر یعنی زبانی ذکر سے منع کرتی ہے کیونکہ سالک کو زبانی ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا کَمَا نَقَلَ فِیْ شَرْحُ الْاَوْرَادِ وَاِنَّ الذَّاکِرَلَایَاْتِیْ اِلَّا بِقَلْبِہٖ وَجْھُہٗ لِاَنَّ الْجَھْرَ بِالتَّکْبِیْرِ بِدْعَۃ فِیْ اَصْلِ عَرَفُ جَوَارَتِ بِالشَّرْعِ وَالشَّرْعُ جَوَارَاتِ بِشَرْطِ الْاَدَاءِ بِالْجَمَاعَۃِ وَ فِیْ فَتَاوٰی حُجَّۃ اَمَّا لِتَکْبِیْرِ فِیْ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ بِجَھْرِ الصَّوْتِ فِیْ الْمَسَاجِدِ وَالْاَسْوَاقِ کَرَّہَ عِنْدَ بَعْضُ الْمَشَائِخُ وَعِنْدَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ O (ترجمہ: شرح الادوار میں لکھا ہے کہ اصل ذکر کرنے والا وہ ہے جو دل سے ذکر کرے اور اونچی آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے۔ جبکہ ظاہری اعمال کی ادائیگی میں، جو شریعت نے مختص کیے ہیں، اونچی آواز سے تکبیر بلند کرنا خصوصاً باجماعت نماز کی ادائیگی کے وقت اونچی آواز سے تکبیر کہنا جائز ہے۔ فتاوٰی حُجۃ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دیگر مشائخ نے ایامِ تشریق میں بھی مساجد اور دیگر جگہوں پر اونچی آواز سے تکبیر پڑھنے کو ناپسند فرمایا ہے)۔

یَحْیٰ اِبْنِ ذَکْرِیَا عَلَیْہِ السَّلَامُ سُئِلَ اِبْلِیْسَ عَلَیْہِ اللَّعْنَۃِ اَخْبِرْنِیْ عَمَّنْ تَسْتَھْزِیْ بِھِمْ وَ تَضْحَکَ عَلَیْھِمْ قَالَ الْمُرَاءِ وَالْمَنَّانُ لِعَمَلِ وَالْمَسْبُوْقِ التَّوْبَۃِ وَالْمُتْبِعِ الشَّھْوٰتِ قَالَ اَخْبِرْنِیْ عَمَّنْ یَسْتَخِیْرُکَ وَالضَّحَکَ عَلَیْکَ قَالَ الذَّاکِرُرَبَّہٗ فِیْ الشِّدَّۃِ الرِّخَاۤءِ وَالْمَنْعِ وَالْعَطَاۤءِ وَذِکْرُالَّذِیْ یَذَّکَّرُ بِلِسَانِ الْقَدِیْمِ لَیْسَ لَہٗ سَکُوْۃٌO

(ترجمہ: یحیٰ ابن زکریا علیہ السلام نے ابلیس سے سوال کیا کہ ملعون مجھے بتا کہ تو کس پر ہنستا اور کس شخص کا مذاق اُڑاتا ہے؟ ابلیس نے کہا کہ میں ہر اُس عمل کرنے والے شخص پر ہنستا ہوں جو دکھاوے کے لیے عمل کرتا ہے یعنی ریاکار ہے، احسان جتانے والا، توبہ میں تاخیر کرنے والا اور شہوات کی پیروی کرنے والا ہے۔ پھر آپؑ نے پوچھا کہ کون شخص تجھ پہ ہنستا ہے اور تیرا مذاق اُڑاتا ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ کا شدت سے ذکر کرنے والا چاہے اُسے کچھ عطا ہو یا نہ ہو، اس پر سختی ہو یا نرمی وہ اللہ کا

Marfat.com

ذکر لسانِ قدیم[1] سے کرتا رہتا ہے اور کبھی سکوت نہیں کرتا)۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا یہ قول چند چیزوں کا تقاضا کرتا ہے۔ پہلی یہ کہ ہر حالت میں ذکر کرنا چاہیے کہ ایسا ذکر صرف دِل کا ذکر ہے جو ہر حالت میں جاری رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس عمل میں ریا اور دکھاوا ہو ایسا عمل شیطان کی ہنسی اور مذاق کا سبب بنتا ہے اور جو اس طرح ہر وقت زبانی ذکر میں مبتلا رہتا ہے اس کے دِل میں شیطان ہوتا ہے اور جو دائمی ذاکرِ دِل ہوتا ہے وہ شیطان سے خلاصی پا لیتا ہے۔ شیطان اس کا مذاق نہیں اُڑا سکتا اور دائمی ذاکرِ دِل ریا کاری سے نجات پا لیتا ہے قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ذِکْرُاللّٰہِ اَفْضَلُ مِنْ حَطْمِ السَّیْفِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِO (ترجمہ: ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اسم اَللّٰہُ ذات کا ذکر اللہ کی راہ میں تلوار کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے بہتر ہے)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ '' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ذکر ایمان کا علم ہے، نفاق کو ختم کرتا ہے، شیطان سے بچاؤ کا مضبوط قلعہ ہے اور شر سے بچاؤ کا بہترین ہتھیار ہے۔'' سہیل ابنِ عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ '' بندہ کے لیے چار چیزیں بہت اہم ہیں۔ پہلی خاموشی، دوسری خلوت، تیسری شہوت کا ترک کرنا اور چوتھی رات کا جاگنا۔ اگر کوئی دوست ان کو اختیار کرے گا تو وہ یا تو اولیاء میں سے ہوگا یا ابدال میں سے ہوگا''۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ '' اگر مرید اپنے آپ کو ظاہر کرے تو وہ نہر کی مانند ہے اور اگر خاموشی سے چھپائے رکھے تو سمندر کی مثل ہے۔'' اے جانِ عزیز! اس قول سے سمجھ لینا چاہیے کہ زبان کو بند رکھنا بھی ایک عظیم کام ہے اور ذکرِ دِل اور سِرِّ دِل (باطن) اس سے بھی بہتر ہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَO (ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ، اے ایمان والو! جب تمہیں لقائے الٰہی نصیب ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ (اسم اَللّٰہُ ذات) کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ)۔ اے جانِ عزیز! یہ آیت

[1] لسانِ قدیم سے مراد روحِ قدسی ہے اور روحِ قدسی کا ذکر ذکرِ یاھو ہے جو کہ پاس انفاس سے ہر وقت جاری و ساری رہتا ہے۔

Marfat.com

مبارکہ بھی ذکرِ دِل اختیار کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

کثرتِ ذکر کی شرط یہ ہے کہ ذکر کے دوران ایک لمحہ بھی ذکر سے غافل نہ رہا جائے کَمَا قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْیَسْکُنْ ○ (ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایمان لایا اللہ پر، اس کے رسول پر اور آخرت کے دن پر پس اُس کو چاہیے کہ خیر کے ساتھ بولے یا خاموش رہے) اور جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ بچپن میں عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام سے کلام کروائے تو مریم علیہا السلام کو خاموش رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ آپ علیہا السلام ان سے کہہ دیں کہ ''آج میں نے رحمٰن سے روزے کی نذر مانی ہے تو آج میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی''۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جو اللہ کا ذکر تو کرتا ہو مگر اس کا دِل اللہ سے غافل ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے ذاکر سے جھگڑا کرے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''ایسے جسم پر لعنت ہو جو بظاہر اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اس کا دِل اللہ سے غافل ہوتا ہے۔'' اس کے علاوہ بہت سی آیات اور احادیث مبارکہ ذکرِ دِل اختیار کرنے پر زور دیتی ہیں۔ اے جانِ عزیز! یہ حدیث مبارکہ بھی ذکرِ دِل یا ذکرِ قلب اختیار کرنے پر زور دیتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اُذْکُرُوْا اِذْکَرًا خَامِدًا اَیْ خُفْیًا (ترجمہ: اللہ کا ذکر خاموشی اور خفیہ طریقے سے کرو)۔ عجیب بات ہے کہ اتنی آیات، احادیثِ قطعی اور عقلی دلائل کے باوجود غافل شخص اپنی غفلت پر ہی قناعت کرتا ہے اور شریعت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کوشش کے باوجود اپنا وقت ضائع کرتا ہے اور سرِّ دِل سے دور رہتا ہے۔ عقل مند کے لیے زیادہ بولنے اور لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ عقل مند کے لیے زیادہ گفتگو کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ایک حرف ہی کافی ہوتا ہے۔ شیخ امین الدّین کازرونی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ خَیْرُ الذِّکْرُ الْخَفِیِّ (ترجمہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ بہترین ذکر ذکرِ خفی ہے)

اگر کوئی سوال کرے ذکرِ خفی کے بارے میں کہ کیا ذکرِ پوشیدہ کو بہتر کہا جائے گا یا اونچی آواز سے

Marfat.com

ذکر کو بہتر کہا جائے۔ میرا اس کو جواب یہ ہوگا کہ ذکرِ خفی سے مراد ایسا ذکر نہیں کہ جو زبان سے آہستہ آواز سے کیا جائے کیونکہ ایسا کرنا بھی زبانی ذکر ہے۔ ذکرِ خفی بہت ہی بہتر ہے ذکرِ دِل، ذکرِ سِرّ اور ذکرِ جان سے کیونکہ ظاہری علم اور علمِ مجازی سے ذکرِ خفی کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔

اے جانِ عزیز! یہ ذکر صرف اور صرف پیر کی عطا ہے، یہ کسی کی ملکیت نہیں اور یہ ہر ایک غیر اللہ کو بھلاتا اور اس کی نفی کرتا ہے اور یہ دائم الحال ہے۔ اس مقام پہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذکرِ خفی کیا چیز ہے؟ آدمی کے جسم میں چار چیزیں ہی خلاصہ ہیں۔ چنانچہ اگر ان چاروں یعنی دِل، سِرّ، جان اور زبان کی نفی کردی جائے تو پھر ذکرِ خفی کیا چیز ہے؟ اگر ان چار چیزوں کے علاوہ، جو قلب میں اپنا مقام رکھتی ہیں، ان میں ذکرِ خفی نہیں ہے تو پھر ذکرِ خفی کیا چیز ہے؟ اس کا جواب اس فقیر کو یہ آیا کہ ذکرِ خاصہ (ذکرِ خفی) سانس ہے کہ اس کے بارے میں حدیثِ مبارکہ ہے اَلْاَنْفَاسُ مَعْدُوْدَةٌ كُلُّ نَفْسٍ يَخْرُجُ بِغَيْرِ ذِكْرُ اللّٰهِ فَهُوَ مَيِّتٌ ○ (ترجمہ: سانس گنتی کے ہیں اور جب کوئی سانس اللہ کے ذکر کے بغیر نکلتا ہے تو وہ مردہ ہے)۔ پس اگر ذکر کا تعلق دم سے ہے تو معلوم یہ ہو کہ سیّد جلال الدین بخاری نے بھی صحیح فرمایا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ذکرِ خفی محلِ خفی میں موجود ہوتا ہے، یہ فتویٰ درست ہے کہ یہ ذکرانا میں ہے اور حقیقی ذکر ذکرِانا ہی ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب دِل مقامِ سلیم (قلبِ سلیم) تک پہنچ جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ (ترجمہ: اس دِن نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا)۔ جو اس بات کی تحقیق کر لیتا ہے وہ اس مقام پر دِل کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ شیخ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دِل سلیم ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کر لیتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ اپنا گھر بنالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنا قلم بنالیتا ہے۔ یہاں قلب کا خیال اللہ کا خیال ہوتا ہے۔ یہاں دِل کا ارادہ اللہ کا ارادہ ہوتا ہے۔ اس جگہ سلیم فاعل کے معنی میں آیا ہے (ترجمہ: قلبِ سلیم دنیا و آخرت کی محبت سے پاک ہے)۔ قلبِ سلیم تمام صفاتی لذّات سے دور ہوتا ہے اور لقائے

Marfat.com

الٰہی کی لذّت میں محو ہوتا ہے۔ لغت میں سلیم اُسے بھی کہتے ہیں کہ جس کو سانپ کے ڈسنے کے بعد لذّت محسوس ہوتی ہو۔ پس مومن کے دِل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور محبت اور شوقِ الٰہی میں لرز رہا ہوتا ہے، قیامت کے دِن ایسا دِل ہی فائدہ مند ہوگا۔ بعض کا کہنا ہے کہ قلبِ سلیم ایسا دِل ہوتا ہے کہ جسے دنیا وآخرت کے تعلقات کی خبر نہ ہو اور وہ ہمیشہ اللہ کی ذات میں مستغرق رہے۔ ایسا ہی دِل قلبِ سلیم ہے کہ جس کو دنیا اور اس کے علاوہ کسی اور غم کی خبر ہی نہ ہو۔ یعنی بے نیاز دِل ہی قلبِ سلیم ہے۔

قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ وَجَمَعَ اللّٰہُ الْخَلَائِقِ لِحِسَابِھِمْ وَجَاءَتِ الْحَفَظَۃُ حَفِظُوْ کَتَبُوْا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَھُمْ اُنْظُرُوْا اَھَلِ مِنْ شَیْءٍ تَرَکُوْ فَیَقُوْلُوْنَ یَارَبَّنَا مَاتَرَکْنَا شَیْءٍ مَا عَلِمْنَاہُ وَحَفِظْنَاہُ وَالْاَقَدْ اَحْصَیْنَاہُ وَ کَتَبْنَاہُ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ اَنَّ لِیْ وَعَبْدِیْ سِرٌّ اِلَّا تَعْلَمُہٗ اَحَدَ غَیْرِیْ وَاَنَا جَزِیْلُ بِہٖ قَالَ ھُوَالذِّکْرُالْخَفِیِّ وَ قَدْ قَالَ صَاحِبُ الرِّسَالَۃِ الْمُعْتَبِرِیْ فَاِنَّ ذِکْرُالْخَفِیِّ لَایَرْفَعُہٗ الْمَلِکُ لِاَنَّ لَا اَطْلَعُ لَہٗ عَلَیْہِ وَھُوَ سِرٌّ بَیْنَ الْعَبْدِ وَ بَیْنَ رَبِّہٖ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَفْضَلُ الذِّکْرِ الْخَفِیِّ عَلَی الذِّکْرِ الَّذِیْ یَسْمَعُہٗ الْحِفَظَۃُ سَبْعِیْنَ دَرَجَۃٍO

(ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دِن ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو حساب وکتاب کے لیے اکٹھا کرے گا اور اعمال نامہ لکھنے والے محافظ فرشتے اعمال نامہ لے کے حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ دیکھو کوئی چیز ایسی تو نہیں جو تم نے نہ لکھی ہو؟ فرشتے کہیں گے اے ہمارے ربّ! ہم نے ہر چیز کو لکھا جس کا ہمیں علم تھا اور ہر اس چیز کی حفاظت کی جس کی حفاظت پر ہم مامور تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ایک بھید تھا جس کا کسی غیر کو علم نہیں اور اس کا اجر میں خود ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ بھید ذکرِ خفی ہے۔ جس کے بارے میں صاحبِ رسالہ الْمُعْتَبِرِی فرماتے ہیں کہ بے شک ذکرِ خفی کو فرشتے نہیں لکھ سکتے کیونکہ یہ ان سے ارفع ہے اور نہ ہی فرشتوں کو اس ذکر کی کوئی اطلاع ہے اور جو سرّ

Marfat.com

ربّ اور اس کے بندے کے درمیان ہے اس کی خبر حدیث مبارکہ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ ''ذکرِ خفی اُس ذکر سے کہ جسے سُنا جا سکتا ہے اور محفوظ کیا جاسکتا ہے، (یعنی ذکرِ زبان جسے فرشتے سن اور لکھ سکتے ہیں) 70 درجے افضل ہے) اور جب ذاکر اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا دِل ذکر کرتا ہے اور اس کی زبان خاموش ہو جاتی ہے اور اس ذکرِ خفی کی فرشتوں کو کوئی خبر نہیں ہوتی کیونکہ ذکرِ خفی تک پہنچنا فرشتوں کے لیے ممکن نہیں ہے کہ فرشتے ذکرِ خفی کا اقرار کریں۔

اَلذِّکْرُ الْخَفِیُّ لَا یَرفَعُہٗ اَلْمَلِکُ وَلَا یَطِیْقُ عَلَیْہِ وَلَا یَقْدِرُ عَلَیْہِ الْمَلِکُ لِاَنَّ فِیْہِ بِذِکْرِ الْوُجُوْدِ وَالْمَلِکُ نُوْرٌ مَحْضٌ لَیْسَ فِیْہِ رَائِحَۃِ الْجِسْمَانِیَّۃِ فَلَوْا بَذَلَ الْوُجُوْدِ بِالذِّکْرِ الْخَفِیِّ عَدَمَ بِالْاِھْتِزَازِ وَالْحَرْکَتِ الشَّدِیْدِ ثُمَّ لَا یَتَجَسَّدُ اَبَدًا بِخَلَافِ الْاِنْسَانِ فَاِنَّہٗ دَانِ عَدَمَ لِاَنَّہٗ یَتَجَسَّدُ بَعْدَ اَلْفَنَاءِ سَرِیْعَۃٍ بَعْدَ سَرِیْعَۃٍ اِعْتَبَارَ الْجِسْمَانِیَۃِ لِاَنَّہٗ لَیْسَ فِیْہِ رَائِحَۃَ الْجِسْمَانِیَّۃِ فَکَیْفَ یَتَجَسَّدُ الْعَدَمِ وَ بَذَلِ الْوُجُوْدِ وَ ثُبِتَ لِاَنَّ الْمَلِکُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی الذِّکْرِ الْخَفِّیِ وَ لِذٰلِکَ حَرَمُوْا مِنَ الرُّؤْیَتِہٖ بِخِلَافِ الْاِنْسَانِ فَاِنَّہٗ یَرَیٰ اللّٰہُ تَعَالٰی بِالْعَیْنِ الظَّاھِرِ اَھْلَ الْفَنَآءِ وَالْبَقَاءِ بِخِلَافِ الْمَلِکُ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَقَآءَ بَعْدَ الْفَنَاءِ فَخَرَکَ فَاِنَّہٗ ھٰذَا سِرٌّ مِّنْ غَوَامِضِ الْاَسْرَارِ الرَّبُوْبِیَّۃِO (ترجمہ: ذکرِ خفی فرشتوں سے ارفع ہے، فرشتے اس کے متحمل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی فرشتے یہ ذکر کرنے پر قادر ہیں۔ یہ ذکر وجود میں جاری ہوتا ہے اور فرشتے محض نور ہیں جن میں جسم کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ اگر فرشتوں کو ذکرِ خفی کا وجود عطا ہو بھی جائے تو وہ اس ذکرِ خفی کی شدید حرکت کی وجہ سے پہلے کی طرح معدوم ہو جائیں اور کبھی اپنے وجود کو برقرار نہ رکھ سکیں جبکہ انسان کی کیفیت اس سے جدا ہے کیونکہ انسان عدم سے ہے اور اس کا جسم جس طرح فنا ہوتا ہے اسی طرح بقا بھی پاتا ہے اور عدم ہر جسم میں سرایت کیے ہوئے ہے اسی لیے عدم کو سرایت کے لیے وجود درکار ہے اور فرشتوں کو وجود ہی نہیں کہ جس میں عدم کی سرایت ہو۔ اسی لیے فرشتے ذکرِ خفی پر قادر نہیں ہیں اور اسی لیے فرشتے دیدارِ الٰہی سے بھی محروم ہیں۔ اس کے برعکس

Marfat.com

انسان اپنی ظاہری آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے۔انسان فنا اور بقا کا اہل ہے اسی لیے انسان اللہ کو دیکھ سکتا ہے جبکہ فرشتوں میں فنا اور بقا کی صفات موجود نہیں ہوتیں۔لہٰذا یہ فخر صرف انسان کو ہی نصیب ہے کہ وہ اِس سِرّ میں غوطہ زن ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کے رازوں کو پا سکے)۔

اے جانِ عزیز! شیخ ابوسعید خذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر تین قسم کا ہے۔پہلا ذکر ایسا ہے کہ جس میں ذاکر کو ذکر کرنے کی عادت ہوتی ہے اور ذاکر ایسا ذکر اپنی زبان سے کرتا ہے مگر اس کا دِل اس ذکر سے غافل رہتا ہے۔دوسری قسم کے ذکر میں ذکر کرنے والا زبان سے تو ذکر کرتا ہے مگر زبان کے ساتھ ساتھ اس کا دِل بھی اس ذکر میں حاضر ہوتا ہے اور ایسا ذکر صرف ثواب کی طلب میں ہوتا ہے اور طالبِ مولیٰ کو ایسے ذکر سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔تیسری قسم کا ذکر ایسا ذکر ہے کہ جس میں دِل ذکر کرتا ہے اور زبان بند رہتی ہے۔ایسے ذکر کی قدر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ذاکر جب اِس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا دِل ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے اور زبان خاموش ہو جاتی ہے کَمَا فِیْ کِفَایَتِ وَشَبْعِیْ رُوِیَ فِی الْاَخْبَارِ اِنَّ ثُلُثًا شَیْئًا لَا بَدَلَ عِنْدَ اللّٰہِ قَدْرُ جَنَاحِ بَعُوْضَۃٍ اَلصَّلٰوۃِ بِالْعَادَتِ وَ ذِکْرُ بِالْغَفْلَتِ وَالصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنْ غَیْرِ حُرْمَۃٍ وَّ صَرِیْحٍ O (ترجمہ: جیسا کہ حضرت شبعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر و منزلت نہیں ہے۔پہلی ایسی نماز جو محض عادت کے طور پر ادا کی جائے۔دوسرا وہ ذکر جس میں دِل (باطن) غافل رہے اور تیسری چیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اس طرح درود و سلام پڑھا جائے کہ جس میں حرمت و احترام کو ملحوظ نہ رکھا جائے)۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دِکھا کر ذکر کرنے اور ذِکرِ جہر کرنے سے مخلوق کو منع فرمایا ہے کَمَا رُوِیَ اَنَّہٗ کَانَ فِیْ بَعْضِ غَزْوَۃٍ فَلَمَّا اِنْصَرَفُوْ اعَلٰی وَادِیْ جَعَلُوْ ایُکَبِّرُوْنَ وَیَھْلُوْنَ وَ یَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَھُمْ فَقَالَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَآاَیُّھَاالنَّاسُ لَاتَرْفَعُوْااَصْوَاتَکُمْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَاتَدْعُوْنَ اِصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّمَا تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا اِنَّہٗ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ O

Marfat.com

(ترجمہ: روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی غزوہ سے واپسی پر ایک وادی سے گزر رہے تھے کہ لوگوں نے بلند آواز سے تکبیریں پڑھنا اور اللہ کا ذکر بلند آواز سے کرنا شروع کر دیا۔ جب اِن لوگوں کی آواز کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اپنی آواز کو ایک دوسرے سے اُونچا نہ کرو کیونکہ تم کسی ایسے کو نہیں پکار رہے جو سنتا نہ ہو اور نہ ہی وہ غائب ہے جو تمہاری پکار نہ سنے بلکہ جسے تم پکار رہے ہو وہ سننے والا ہے، سنتا ہے اور تمہارے قریب بھی ہے تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بندے کے ظن اور گمان کے مطابق ہوتا ہوں، جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں)۔ یہ حدیث مبارکہ بھی ذکرِ دل اختیار کرنے پر اشارہ ہے۔ اور ایسا ذکرِ دِل وَھم کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ایسے ذکرِ دِل کو ہی پاس انفاس[1] کا ذکر کہا جاتا ہے۔ مرد عارف وہی ہے جس کے پاس ایسی سانسیں ہوں کہ جن میں ذکرِ اسمِ اَللّٰہُ ذات جاری وساری ہو۔ دونوں جہاں ایسے ہی مردِ عارف کی ملکیت ہوتے ہیں کہ جو پاس انفاس کا ذکر کرتا ہو، جس ذکر سے اس کا نفس اس کا تابع فرمان ہو اور اس کا دِل (باطن) حضوری میں رہ کر بیدار ہو چکا ہو۔ چنانچہ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ قَالَ اَوَّلَ حُضُوْرِ الْقَلْبِ یَعْنِیْ بِہٖ اِنَّ بِفَرغِ الْقَلْبِ مَاھُوَلَازِمٌ لَہٗ وَیَتَکَلَّمُ بِہٖ فَیَکُوْنُ الْعِلْمُ بِالْفِعْلِ وَالْعَمَلِ وَالْقَوْلِ مَقْرُوْنًا بِھَا وَلَا یَکُوْنُ الْفِکْرُ جَارِیًا فِیْ غَیْرِنَا فَلَمَّا اِنْصَرَفَ الْفِکْرُ عَنْ غَیْرِ مَاھُوَ فِیْہِ فَکَانَ فِیْ قَلْبِہٖ ذِکْرُنِیْ لَمَّا ھُوَ فِیْہِ وَلَمْ یَکُنْ فِیْہِ غَفْلَتٌ عَنْ کُلِّ شَیْءٍ فَقَدْ حَصَلَ الْحَضُوْرِ۔O (ترجمہ: پہلے فرمایا کہ حضورِ قلب کے لیے لازم ہے کہ اپنے قلب کو غیر ماسویٰ اللہ سے فارغ کر دیا جائے۔ جب دِل غیر ماسویٰ اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بندے سے کلام کرتا ہے۔ جو کہ اس کے علم، فعل، عمل اور قول میں جاری وساری ہوتا ہے اور بندہ ہر وقت تفکر کرتا رہتا ہے۔ اس فکر کے جاری ہونے سے غیر دل سے نکل جاتے ہیں اور قلب ذکر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس قلبی ذکر سے بندہ ہر چیز سے غافل ہو کر حضورِ قلب حاصل کر لیتا ہے)۔

---

[1] سانسوں کے ذریعے کیا جانے والا ذکرِ اسمِ اَللّٰہُ ذات

Marfat.com

اے جانِ عزیز! ذکر پاس انفاس اصل میں ذکرِ دِل ہے اور یہی ذکرِ خفی بھی ہے اور ہر غیر ماسویٰ اللہ کی نفی بھی یہی ذکر ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو سانس اللہ کے ذکر کے بغیر نکلتا ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے اور جو سانس اللہ کے ذکر کے ساتھ نکلتا ہے وہ سانس گوہر (قیمتی موتی) ہے اور ایسا سانس کہ جو ذکرِ اسمِ اَللّٰہُ ذات سے نکلتا ہو، کی قیمت لگائی جائے تو ایسے سانس کی قیمت دنیا و آخرت سے زیادہ ہے اور ایسا سانس ہی گوہر ہے۔ اللہ کے ذکر کے بغیر سانس خارج کرنا حماقت ہے۔

ہر یک نفس کہ میروَد از عُمر گوہری است

کانرا خراج مُلک دو عالم بہا مبنُد!

کیں خزانہ و مُہے رائیگاں بادہ

وآنکہ رُوئے بخاک تہی دست بے نوا

ترجمہ: ہر ایک گزرنے والا سانس اُس قیمتی موتی کی طرح ہے کہ جس کی خراج یعنی ملکیت دونوں جہاں سے زیادہ ہے اور جو کوئی اس قیمتی خزانہ (ذکرِ پاس انفاس) کو ضائع کر دیتا ہے تو اس کے منہ پہ خاک کیونکہ اس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا اور ایسا شخص جو سانسوں کو ضائع کر رہا ہو وہ خالی ہاتھ اور نقصان میں رہتا ہے۔

اے جانِ عزیز! حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''جب کوئی مجھے غفلت سے یاد کرتا ہے تو میں اُسے لعنت سے یاد کرتا ہوں''۔ پس ذکرِ زبان کو غفلت کہا گیا ہے کیونکہ یہ عادت ہے جو کہ لعنت کی وجہ ہے اور دِل ہی حضوری قلب کی بدولت حضوری جیسے اعلیٰ مقام پر پہنچتا ہے کیونکہ دِل میں ہی اللہ تعالیٰ کا غیب پوشیدہ ہے۔ اور نبی علیہ السلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زبانی ذکر کرنے والے کو اپنے حال پر حسرت و ندامت سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (ترجمہ: حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی)۔ جستجو اور تشویش کرنا دِل کا کام ہے جبکہ ظاہری اعمال تو فارغ چیز ہیں۔ حضوری تو دِل کو نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ عشق کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ ''بے کاری'' یعنی

Marfat.com

ظاہری اعضاء کو کام سے روک لینا اور دِل کو معشوق کی حضوری میں پہنچا کر اپنے دِل میں ہی اس کی طرف متوجہ رہنا اور ہمیشہ دائمی حضوری میں رہنا (ہمیشہ کے لیے اور ہر وقت لقائے الٰہی اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مگن رہنا)۔ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا گناہِ عظیم ہے۔

ہر آں کو غائبِ حق نگر ناراست
دَر آں دم کافراست امّا نہانُست
کسے غائبے پیوستہ باشد!
دَر اِسلام بُروئے بستہ باشد
حضور بخش پروردگار
کہ خُود را غائب طاقت ندارم

ترجمہ: جب کوئی ایک لمحے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے غافل ہوتا ہے تو وہ گناہ میں ہے۔اس کا یہ سانس جو ذِکر کے بغیر نکلتا ہے وہ کافر ہے مگر اُسے پتا نہیں چلتا۔اگر کوئی غائب (غیب مراد باطن) میں اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہے تو اسلام میں اللہ کے سامنے جانا جائز ہے۔اے پروردگار مجھے اپنی حضوری بخش دے کہ میرے میں اتنی طاقت نہیں کہ میں غائب (باطن) میں آسکوں۔

اے جانِ عزیز! اب ہم اپنے اصل مقصد عالمِ وَھم پر بات کرتے ہیں۔یاد رکھنا چاہیے کہ عالمِ الطاف[1] کو دیکھنے کی تمام قوتیں[2] انسان میں موجود ہیں۔خواص کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے باطن سے ہی دیکھتے، سنتے اور بولتے ہیں کیونکہ دیکھنے، سننے اور بولنے کی طاقت دِل کو ہی حاصل ہے اور اسی دِل سے ہی اللہ تعالیٰ کو دیکھا، اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوا جا سکتا ہے۔اور راہِ دِل اور معرفتِ حق تعالیٰ وَھم کے سلطان (سلطانُ الوھم مرشد کامل اکمل جامع

---

[1] عالم الطاف سے مراد عالمِ امر ہے جو کہ عالمِ احدیت یا ھاھویت، وحدت یا حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور واحدیت یا لاھوت کا جامع ہے۔[2] خلوصِ نیت، صدق، تسلیم و رضا اور عاجزی کو دامن گیر کر کے اپنی سوچ، گمان، دل، نفس اور جسدِ خاکی کے ہر عضو میں اسمِ اَللّٰہُ ذات کو جاری و ساری کر لینا ہی اصل قوت ہے۔

Marfat.com

نورالہدیٰ کو کہتے ہیں) کے بغیر قطعاً ممکن نہیں۔ چشمِ اوھام کے بغیر شیطانی ہتھ کنڈوں، نفسانی غلبہ اور اپنے جسم کے ظلم سے نہیں بچا جا سکتا۔ اس خونخوار جنگل سے بغیر زادِراہ یعنی یقین کے قدموں اور وھم کے بغیر گزرنا ممکن نہیں ہے اور اس طریقہ میں بہت ہی زیادہ چھپے ہوئے راستے ہیں جن میں بھٹک جانے کے مواقع زیادہ ہیں۔ اس راہ میں زادِراہ[1] کے بغیر سفر کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے تین چیزوں (مرشد کامل کا ساتھ، عشق کی قوت اور یقین) کا ہونا ضروری ہے۔ سلطان الوھم کے بغیر تصرف کرنا ممکن نہیں ہے۔

چند مختلف الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے معنی ایک جیسے ہیں مگر ان الفاظ کی پہچان اور بناوٹ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ چنانچہ مشاہدہ اور مشہود، عالمِ غیب اور حضور، تمثیل اور مثال، قُدس اور بقا، جلال اور جمال، حقیقت اور مخفی، لاھوت اور اَنا اور ھُو۔ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ جن کو اہلِ سلوک بھی استعمال کرتے ہیں چنانچہ اعتقاد، یقین، فکر، وھم، ظن، ہمت، خیال اور منٰی ایسے الفاظ ہیں کہ جن کا استعمال اہلِ سلوک اکثر و بیشتر کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ O (الحجر۔99) (ترجمہ: اپنے رب کی اس حد تک عبادت کرو کہ تمہیں یقین حاصل ہو جائے) قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ وَ اَيْضاً اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَيْضاً سُلْطَانُ الْوَهْمِ اَعْظَمُ فِیْ هٰذَا الطَّرِيْقِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اَوْ مِنْ كُلِّ عِبَادَةٍ وَ اَيْضاً سَجَدَلَكَ خَيَالِیْ وَ اٰمَنَ بِكَ فُؤَادِیْ اَيْضاً اَلْهِمَّةُ غَرِيْبَةٌ لَا يَصِلُ اِلَى الْخَالِقِ وَلَا يَسْكُنُ اِلَى الْمَخْلُوْقِ۔ O (ترجمہ: حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک لمحہ کا تفکر دونوں جہانوں کی عبادت سے بہتر ہے اور ایک حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں۔ اور اسی طرح سلطان الوھم تمام چیزوں اور ہر قسم کی عبادات سے اعظم ہے۔ اور اسی طرح فرمایا گیا کہ ''میرے خیال نے تجھے سجدہ کیا اور میں دِل سے تجھ پر ایمان لایا'' اور اسی طرح کہا گیا کہ کم ہمت رکھنے والا نہ تو وصالِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی مخلوق کے ساتھ

[1] راستے کا سامان۔ مراد یقینِ کامل، خلوصِ نیت اور سب سے بڑھ کر مرشدِ کامل کا ساتھ۔

Marfat.com

سکون پاتا ہے)۔اوپر بیان کردہ اکثر الفاظ معنی کے حوالہ سے ایک جیسے ہیں مگر بعض الفاظ ایسے بھی ہیں کہ جو سمجھ سے بالاتر ہیں۔

اے جانِ عزیز! اوھام دل کا دیکھنا، سننا، بولنا اور سمجھنا ہے۔ اوھام کے بغیر دِل کی سیر اور ہمتِ مؤثرہ حاصل نہیں ہوتی چنانچہ اوھام کے بغیر عالمِ الطاف تک رسائی ممکن نہیں کیونکہ اوھام کے بغیر نہ تو اللہ تعالیٰ تک پہنچا جاسکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو اوھام کے بغیر دیکھنا ممکن ہے۔ حواسِ باطن آدمی کے اندر موجود ہوتے ہیں لیکن حُبِ دنیا[1] اور لذّتِ شہوتِ جسمانی اور خواہشاتِ نفس اور بے معنی اشیاء نہ تو اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے دیتی ہیں اور نہ ہی عالمِ الطاف تک پہنچنے دیتی ہیں کیونکہ یہ تمام چیزیں طالبِ مولیٰ کی راہ کی رکاوٹ ہیں۔ اس طرح جب غمِ دنیا اور شہوت بندہ کو گھیرتی ہیں تو روز بہ روز اس کی عالمِ الطاف کا نظارہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور وصال پانے کی نیت متزلزل ہوتی جاتی ہے اور ہر لمحہ اُس کے حواسِ باطن مختلف امراض کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ وَاَوۡلَادِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ فَاحۡذَرُوۡھُمۡ ج (التغابن۔14) (ترجمہ: بے شک تمہاری بیویاں اور اولاد تمھاری دشمن ہیں سو اُن (کے فتنہ) سے بچو)۔ اس طرح کی بہت سی بیماریاں باطن کو درپیش ہوتی ہیں اور حکم ہے کہ اِنَّمَآ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ ط (التغابن۔15) (ترجمہ: بے شک تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں)۔ باطن میں یہ تمام چیزیں یعنی اولاد، بیوی اور مال کی محبت فتنہ پیدا کرتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ O لا (الشعرآء۔88) (ترجمہ: تمہیں نفع ہرگز نہیں پہنچا سکتے نہ تمہاری اولادیں اور نہ ہی تمہارے مال)۔ دِل کو یہ چیزیں داغ دار کرتی ہیں اور قلبی بیماریوں کا سبب بنتی ہیں حُبُّ الدُّنۡیَا رَاۡسُ کُلِّ خَطِیۡئَۃٍ۔ O (ترجمہ: دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے)۔ باطن میں جب یہ (دنیا کی محبت) آجاتی ہے تو وجود میں موجود باطنی حواس کام نہیں کرتے اور مفقود ہو جاتے ہیں۔ یہاں

---

[1] ہر وہ چیز جو طالبِ مولیٰ کو اللہ تعالیٰ سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر لے دنیا کہلاتی ہے اور دنیا کی محبت کا دل میں آجانا حبِ دنیا ہے۔

Marfat.com

تک کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کا نام تک بھی کئی ماہ اور کئی سال تک اُس کے دِل سے نہیں گزرتا بلکہ ہر لحہ اُس پر غفلت کے پردے گہرے ہوتے جاتے ہیں اور اس کا دِل غفلت میں ڈوبا رہتا ہے۔ اسی حوالہ سے قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ ھَیْھَاتَ ھَیْھَاتَ O (ترجمہ: ہائے افسوس۔ ہائے افسوس)۔ انبیاء علیہم السلام کے حواسِ باطنی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم میں پرورش پاتے ہیں اسی لیے انبیاء علیہم السلام ہر روز ہر لحہ عالمِ حقیقت سے باخبر اور ہمیشہ ذکر و فکر میں رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ میں اس طرح مستغرق رہتے ہیں کہ کوئی لمحہ بھی مشاہدۂ حق تعالیٰ اور دیدارِ الٰہی کے بغیر نہیں گزارتے۔ اور یہ امراضِ قلبی[1] اس وقت دِل سے نکلتے ہیں کہ جب کوئی مریدِ صادق یہ طلب کرتا ہے کہ یہ بیماریاں اُس کے دِل سے نکل جائیں اور اوھام کی سلطنت[2] کی بنیاد اس طالبِ مولیٰ یا مریدِ صادق کے دِل میں جلوہ گر ہو اور اُس میں حواسِ باطنی پیدا ہو جائیں اور اُس کو عالمِ الطاف نظر آجائے۔ تو طالبِ مولیٰ (مریدِ صادق) کو چاہیے کہ سب سے پہلے طبیب (مرشد کامل اکمل) کو تلاش کرے کہ ایسا طبیب ہی پیر کامل ہے اور اس کے لیے ایسے طبیب (پیرِ کامل) اور اوھامِ قرآنی[3] کی ضرورت ہے جو باطنی بیماریوں کا علاج حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقہ پر کرے جیسا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دِلوں کا علاج فرمایا کرتے تھے۔ اور جب وھم کی سیر عطا کرے تو اس میں غلطی نہ کرے کہ اس راہ میں بہت سے راستے آپس میں متصل ہوتے ہیں۔ پس مرشد کامل مرید کے باطنی حواس کو اپنے تصرف اور عطا سے خود پیدا کرتا ہے اور خود ہی مرید کا دِل اپنے تصرف سے زندہ کرتا ہے جیسا کہ حکم ہے کہ مَنْ اَحْیَا اَرْضَ مَیْتاً فَھِیَ لَہٗ O (ترجمہ: جو مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے تو وہ اُسی کے لیے ہے)۔ اسی حکم کے مطابق مرشدِ کامل مرید

---

[1] امراضِ قلبی سے مراد دل یا باطن کی بیماریاں ہیں مثلاً تکبر، عجب، بغض، کینہ، حبِ دنیا، شہوات، حسد، غصہ، ریاکاری وغیرہ [2] اوھام کی سلطنت سے مراد صاحبِ اسم و مسمّٰی سروری قادری مرشد کامل اکمل جامع نورالہدیٰ ہے جو کہ انسانِ کامل کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے اور دنیا میں ایک ہی وقت میں ایک ہی ہوتا ہے۔ [3] اوھامِ قرآنی سے مراد قرآن کے حقیقی معنوں کا دل پر اُترنا اور قرآن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن رہنا ہے۔

Marfat.com

کے دِل کو زندہ کرتا ہے اور اس کے اندر سے مخلوق کی محبت اور تمام غیر ماسویٰ اللہ کو اپنے تصرف سے نکال دیتا ہے۔ نیز یہی پیر کا تصرف ہے۔ چنانچہ حضرت رسالت پناہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مرید صادق کے حق میں فرماتے ہیں کہ مَافَضَلَ اَبُوْبَکْرٍ بِکَثْرَۃِ الصَّلٰوۃِ وَلَا بِکَثْرَۃِ التِّلَاوَۃِ وَالصَّوْمِ وَلٰکِنْ بِشَیْءٍ وَقَرَفِیْ قَلْبِہٖ۔ (ترجمہ: ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت نہ تو کثرتِ نماز اور نہ ہی کثرت سے تلاوت کرنے اور نہ ہی روزے رکھنے کی وجہ سے ہے بلکہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت اُس چیز کی وجہ سے ہے جو اُن کے قلب میں ہے)۔ اے جانِ عزیز! اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ راہِ معرفت کی سیر اور دِلوں کو زندہ کرنا مرشدِ کامل کے تصرف میں ہے اور یہ (راہِ معرفت کی سیر اور دِل کا زندہ کرنا) مرید کے کسی کام کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مرشدِ کامل کی عطا ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ مَاصَبَّ اللّٰہُ شَیْئًا فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا قَدْ صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ۔ (ترجمہ: اللہ نے جو چیز میرے سینے میں ڈالی ہے میں نے وہ تمام کی تمام ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے سینہ میں ڈال دی ہے) کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ اے جانِ عزیز! جب تک باطنی حواس بیدار نہیں ہو جاتے اس وقت تک سلطان الوھم (مرشد کامل اکمل) کی حقیقت کو نہیں پہچانا جا سکتا اور وھم ایک نور ہے کہ جو عالمِ الطاف (عالمِ امر) سے پیدا ہوتا ہے اور وھم روحِ انسانی (روحِ قدسی) سے بھی پیدا ہوتا ہے مگر سلطان الوھم (مرشد کامل اکمل صاحبِ مسمّٰی) کی نظر کے بغیر نہ تو دِل کی سیر حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی فتحِ دِل (باطن کا کھلنا) حاصل ہوتی ہے۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ

تو دید بدست آر کہ ہر روزہ خاک
جامیست جہاں نما چوں درنگری

ترجمہ: اگر تو خاکی وجود میں جامِ دِل کو ہاتھ میں لا کر دیکھے تو تجھے پتہ چلے کہ یہی وہ جام ہے کہ جس میں تمام جہان کی نگری نظر آتی ہے۔

پس طالبِ حق (اللہ تعالیٰ کی تلاش اور طلب کرنے والا) کو یاد رکھنا چاہیے کہ پیرِ کامل وہ ہوتا ہے کہ جو کتاب اور سنت پر عمل کرتا ہو۔ اور اُسی کے ہاتھ میں ہی مرید کو ہاتھ دینا چاہیے جو

Marfat.com

مختلف باطنی بیماریوں کا ایک ہی نظر میں علاج کر دے اور اپنے تصرفِ اوھام سے خود ہی اپنے مرید کو ہر منزل اور ہر مقام پر پہنچا کر مکمل کر دے کیونکہ مرید کا دِل مرشدِ کامل کے تصرف میں ہوتا ہے۔ مرشدِ کامل کا تصرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مانند ہوتا ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہی عطا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیُّ فِیْ اُمَّتِہٖ (ترجمہ: شیخ اپنی قوم میں ایسے ہی ہوتا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں ہوتا ہے)۔ بس اس بات کا تعین کرنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ راہِ طریقت ابتداء سے انتہا تک پیرِ کامل کے تصرف میں ہے اور اگر پیر کامل نہیں ہے تو اس راہ کو کامل پیر کے بغیر اختیار کرنا بے سود ہے اگرچہ مرید اس راہ کے لیے کتنی ہی زیادہ جدوجہد کیوں نہ کر لے۔ اس راہ (راہِ فقر) کا تعلق مرشد اور مرید دونوں جانب سے ہے۔ یعنی مرشد بھی کامل ہو اور مرید بھی صادق ہو۔ پیرِ کامل کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح ہونا چاہیے کہ اپنا تصرف اور تمام تر علم اپنے مریدِ صادق کو عطا کرنے سے گریز نہ کرے۔ مریدِ صادق کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی طرح ہونا چاہیے کہ مریدِ صادق اپنا مال، جان اور اولاد صدقِ دل اور خلوصِ نیت سے اپنے پیر پر قربان کر دیتا ہے۔ اور جب ایسے مرشد اور مرید آپس میں مل جاتے ہیں تو دِن بدن ان کا کام ترقی کی منازل طے کرتا جاتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ لَوْوَزَنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ النَّاسِ لَرَجَعَ (ترجمہ: اگر ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہٗ) کے ایمان کا مقابلہ دوسرے لوگوں کے ایمان سے کیا جائے تو ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہٗ) کا ایمان دوسرے لوگوں کے ایمان پر غالب آ جائے)۔

اور حجاب کیا چیز ہے؟ یہ حجاب صدق ہی ہے کیونکہ صدق کے اعتبار سے جو کچھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے حاصل کیا وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہٗ حاصل نہ کر سکے حالانکہ تمام اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصرف برابر تھا جیسا کہ سورج کی روشنی ہر چیز پر برابر پڑتی ہے مگر ہر چیز کی روشنی جذب کرنے کی استعداد مختلف ہے۔

پرتوِ خورشید عشقت برہم تابد!
ولیکن سنگ بیک نوع نیست تا گوہر شوند

Marfat.com

ترجمہ: سورج کی روشنی ہر ایک پتھر پر برابر پڑتی ہے مگر تمام پتھر ایک جیسے نہیں ہو سکتے کہ ہر ایک پتھر گوہر و لعل نہیں بنتا۔

پس ہر ایک کو اس کے دِل (باطن) میں موجود صدق اور پاکیزگی[1] کے مطابق فیض عطا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے فائدہ حاصل کیا۔

پس پیر اور مرید کا آپس میں تعلق دونوں جانب سے ہوتا ہے۔ اگر پیر اور مرید دونوں میں سے کوئی ایک جانب بھی قاصر ہو تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اے جانِ عزیز! جب پیرِ کامل اور مریدِ صادق کا آپس میں اتصال ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے کی محبت میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے کسی لمحہ بھی جدا نہیں ہوتے۔ پیرِ کامل اپنے تصرف' اوھام اور ہمت سے اپنے مرید کے دِل سے اللہ تعالیٰ اور اللہ کی یاد کے سوا ہر چیز کو نکال دیتا ہے۔

چو خواہی مونس قُل ھُو اللّٰہ

خطے دَرکش بگردِ ماسویٰ اللہ

ترجمہ: اگر کسی کی یہ خواہش ہو کہ اس کا اللہ تعالیٰ سے قرب اس حد تک ہو جائے کہ وہ قُـــــل ''عبودیت'' سے ھُـــو ''عالمِ احدیت یا ھاھویت'' تک پہنچ جائے تو اُسے چاہیے کہ اپنے دِل کے خطے[2] سے اللہ تعالیٰ کے سوا تمام اغیار کو نکال دے۔

اے جانِ عزیز! راہِ فقر میں پیرِ کامل اپنے تصرف سے مرید کے دِل کی سات طریقوں سے تربیت کرتا ہے۔ ایسے دِل کا حال زبان سے بیان کرنا مشکل ہے کیونکہ اہلِ ظاہر سے ایسے دِل کا حال خفی رہتا ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ ایسے دِل کی متاع (ملکیت) اسمِ اَللّٰہُ کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور ایسا دِل قیوم ہوتا ہے جس کی نیت حق ہو یعنی جس کی نیت میں صدق ہو اور اس کی طلب صادق

---

[1] دِل کو غیر ماسویٰ اللہ سے پاک کر لینا پاکیزگی ہے [2] دِل کے خطے سے مراد باطن ہے

Marfat.com

ہو۔ جب ایسے دِل کو جوہرِ ذکر[1] حاصل ہو جاتا ہے تو پس اُسے فیض حاصل ہو جاتا ہے اور وہ وھم کے ذریعہ ہر دم اور ہر ساعت ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔

اور پھر اُس کا نورِ ذکر نورِ ذات سے متصل ہو جاتا ہے۔ اور نورِ ذات مریدِ صادق کے دِل میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ نورِ ذکر کا تعلق سلطانُ الوَھم سے ہے (یعنی سلطانُ الوَھم ہی نورِ ذات ہے جو ذکرِ سلطانُ الاَذکار عطا کرتا ہے) سلطان الوَھم حق تعالیٰ کی مدد سے عالمِ احیام[2] کا رخ کرتا ہے تا کہ وہاں پہنچ کر اسم اَللّٰہُ ذات کی بنیاد رکھے اور پھر محلِ مخفی[3] سے ضروری ساز و سامان لے کر صحرائی سلطنت[4] میں نزول فرمائے اور اس مملکت کو اپنے تصرف میں لے آئے یعنی اپنا رنگ اُسے عطا کر دے اور اپنا فیض عطا کرنے کے بعد دِلِ حقیقی کی طرف رخ کرے اور ملکِ دِل کو تھام لے۔ بعض اپنے آپ کو اس قدر لطیف کر لیتے ہیں کہ ان کا دِل قلم اللہ[5] کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور اس مقام پر قلب کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے۔ بس تحقیق ان کا دِل ان کے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔

شیخ عبداللہ انصاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دَر ہَوا گر پری مگس دَر بروئے آب روی ہمچو خسے
دِل بدست آورے آنگاہ کس غیرزیں ہرچہ کُنی دَرہوسے

ترجمہ: اگر تو ہوا میں اڑتا ہے تو مکھی بھی اڑتی ہے اور اگر تو پانی پر تیرتا ہے تو پھر ایک تنکے جیسا ہے۔ دِل کو اپنے ہاتھ میں لا اس کے علاوہ تو جو کچھ بھی کرے وہ ہوس ہے۔

اس کے بعد دِل میں نورِ ذکر ظاہر ہوتا ہے اور پھر یہ ملکِ نفس کی طرف رخ کرتا ہے کہ نفس ہوا اور خواہشات کی کان ہے اور پھر اس نفس کو پاک و طاہر کر دیتا ہے اور نفس خود کو قابو میں کر لیتا ہے یعنی نفسِ امارہ سے نفسِ مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ اَلنَّفْسُ ہِیَ الظَّالِمُ الْاَکْبَرُ (ترجمہ:

---

[1] اسمِ اَللّٰہُ ذات کا ذکر جاری ہو جانا۔ [2] عالمِ احیام سے مراد عالمِ خلق ہے۔ [3] محلِ مخفی سے مراد خفی ذکر عالمِ واحدیت یا عالمِ لاھوت ہے۔ [4] صحرائی سلطنت سے مراد عالمِ خلق ہے۔ [5] قلم اللہ کا مقام قم باذنی کا مقام ہے۔

Marfat.com

نفس (امارہ) ہی سب سے بڑا ظالم ہے) لہٰذا نفس کو جڑ سے اکھاڑ دینا چاہیے اور حکم ہے کہ:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ج (النمل۔34)

ترجمہ: بے شک جب بادشاہ کسی خطہ میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اُس خطہ کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں[1]

اسی نورِ ذکر سے ہوا کا لشکر تباہ و برباد ہو کر ذلیل ہو جاتا ہے اور نفس نورِ ذکر کا مطیع اور تابع ہو جاتا ہے۔ پس سلطانُ الوَھم نورِ ذکر سے مل کر طالبِ مولیٰ کے ضمیر کی طرف رخ کرتے ہیں اور اس صنوبری[2] دِل کو اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران۔19) (ترجمہ: اللہ کے نزدیک دین تو دینِ اسلام ہی ہے) ظلمت چلی گئی اور نور چھا گیا۔ اس کے بعد سلطنتِ ذکر میں دو ستارے مختلف انداز سے دمکتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ان کی چمک سے عالمِ اجسام اور ظلمت ان پر واضح ہو جاتے ہیں کہ ان کو میٹھا شربت بھی عذاب دکھائی دیتا ہے اور یہ اس کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ اسی لمحہ ہی اس کے اعضاء اس حکم کے مطابق يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ (ابراہیم۔48) (ترجمہ: اس روز زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا) (تَبْدِيْلًا يَزِيْدًا) تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔ (شرح: مراد یہ ہے کہ اعضاء کے اعمال کو بدل دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے باطنی اعضاء کو قوت عطا کرتا ہے جس کے بعد ظاہری اعضاء کے اعمال کم ہو کر باطنی اعضا کے اعمال بڑھ

---

[1] جب اسم اَللّٰهُ ذات کا نور کسی وجودِ خاکی میں منور ہوتا ہے تو پھر اسمِ اَللّٰهُ ذات کے ذکر و تصور سے طالبِ مولیٰ کا نفس مردہ ہو جاتا ہے اور باطنی بیماریوں سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ عشقِ حقیقی دنیاوی مال و دولت اور اہل و عیال کی محبت پر غالب آ جاتا ہے اور اسمِ اَللّٰهُ ذات طالبِ مولیٰ کے دِل سے غیر ماسویٰ اللہ کو نکال دیتا ہے۔ ذکرِ نور سے ذاکر کا وجود آہستہ آہستہ بدلتا جاتا ہے اور ذاکر کی پرانی ہستی ختم ہو کر نئی ہستی ظاہر ہوتی ہے اور پھر ذکرِ نور ذکرِ ذات میں بدل جاتا ہے یعنی فنا سے بقا کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ [2] صنوبر کا درخت پہاڑی علاقوں اور اونچائی والے علاقوں میں پایا جاتا ہے جس کی مہک دور دور تک محسوس کی جاتی ہے۔ صنوبری دِل سے مراد طالبِ مولیٰ کا وہ باطنی وجود ہے جو نفس اور غیر ماسویٰ اللہ کی آلائشوں سے پاک ہو۔

Marfat.com

جاتے ہیں۔ طالب ظاہری آنکھوں سے اشیاء کو دیکھنے کی بجائے باطنی بصیرت سے ان اشیاء کی حقیقت کو دیکھتا ہے، باطنی سماعت سے حق کو سنتا ہے اور اسی طرح تمام ظاہری اعضاء کے بدل میں اسے باطنی اعضاء عطا کیئے جاتے ہیں)۔ ان باطنی اعضاء کو وھم کی نعمت سے نوازا جاتا ہے کہ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّ نِفَاقًا (التوبہ۔97) (ترجمہ: اعرابی کفر اور نفاق میں شدید ہوتے ہیں) اور جب یہ مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے ہیں تو حکم ہے کہ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ[1] (ترجمہ: آج کے دِن تمہارا دین مکمل ہو گیا) اور اس کے مطابق وہ کامل ہو جاتے ہیں وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ[2] (ترجمہ: اور ہم نے اپنی نعمت مکمل کر دی) اور اس کے مطابق نعمتیں تمام ہو جاتی ہیں وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ؕ[3] (ترجمہ: اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند فرمایا) کے مطابق قالب کی تمام کی تمام بلندیاں نور میں ڈھل جاتی ہیں۔ ایک وجود اور اس کا سِرّ دوبارہ سے پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا يَمُوۡتُوۡنَ بَلۡ يَنۡتَقِلُوۡنَ مِنۡ دَارٍ اِلٰى الدَّارِ اَلۡاَنۡبِيَآءُ يُصَلُّوۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ (ترجمہ: بے شک اولیاء اللہ کو موت نہیں آتی بلکہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں انبیاء علیہ السلام اپنے قلوب میں ہی دائمی مصلّی[4] ہوتے ہیں)۔ یہ ارشاد بھی تحقیق کرتا ہے کہ وَبِاعِثَهٗ وَاَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا (النساء۔174) (ترجمہ: اور اسی وجہ سے فرمایا "اور ہم نے تمہاری طرف اپنا نورِ مبین (انسانِ کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نازل فرمایا")۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیعت[5] سے سارا عالم (عالمِ ظاہر و باطن) نور ہو جاتا ہے اور ظلمت کا نام ونشان ختم ہو جاتا ہے۔

حلوہ شدہ کُلّی صلوٰۃ مبارکباد

---

[1] [2] [3] سورۃ المائدہ۔3۔ [4] دائمی مصلّی (نمازی) سے مراد ہر وقت لقائے الٰہی میں مصروف رہنا ہے کہ کوئی سانس بھی ذکرِ اسم اَللّٰہُ ذات سے غافل نہ ہو۔ [5] سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ سروری قادری سلسلہ میں مرید حقیقت میں انسانِ کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سلسلہ سروری قادری کے طالب مرید کی تربیت خود فرماتے ہیں۔

Marfat.com

ترجمہ: ان پر صلوٰۃ اوران کو مبارکباد ہو جنہوں نے یہ مرتبہ حاصل کیا۔

اے جانِ عزیز! درجہ بالا گفتگو تو انبیاء، مرسلین اور اولیاء اکرام کے کمال (عالمِ امر) تک پہنچنے کے طریقہ کو بیان کرنے کے بارے میں تھی۔ جبکہ زاہدوں اور عابدوں کا رستہ یہ ہے کہ ہمیشہ اعمالِ ظاہر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور زبان سے ذکر اور تلاوتِ قرآن پاک میں مشغول رہتے ہیں اور خواہش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اجر وثواب اوران کی عبادت کا صلہ وبدلہ عطا کرے۔ یہ لوگ ظاہر سے تو بہت ہی برگزیدہ نظر آتے ہیں مگر اندر سے (باطن سے) خالی ہوتے ہیں۔ چنانچہ نجم الدین کبریٰ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قَالُوْا اُسْلُوْفِ هٰذَا الطَّرِيْقُ اِنَّ زَمَانَ الطَّوِيْلِ وَاَقَلَّ مِنَ الْقَلِيْلِ وَ مَعَ ذٰلِكَ الْوُصُوْلِ مِنَ النَّوَادِرِ (ترجمہ: بہت سے اسلاف ایسے ہیں کہ جنہوں نے عرصہ دراز تک زہد و عبادت کے طریقہ میں بہت ہی مشقت برداشت کی مگر اس طویل عرصہ کی محنت ومشقت کے باوجود انہیں اس کا صلہ بہت ہی کم ملا اوران میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب نہیں ہوا)۔

پس یہ بات حق ہے کہ وصالِ الٰہی صرف ظاہری اعمال کرنے سے ممکن نہیں ہے چنانچہ ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ اَلصَّلٰوةُ وَ تِلَاوَةَ الْقُرْاٰنِ وَ الْحَجُّ وَالزَّكٰوةُ اُمُوْرٌ حَسَنَةٍ وَلٰكِنْ شَانُ الطَّالِبِ شَانٌ اٰخِرٌ (ترجمہ: نماز، تلاوتِ قرآن، حج اور زکوٰۃ ادا کرنا تمام نیک اعمال ہیں لیکن طالبِ مولیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ان تمام ظاہری اعمال سے آگے لقائے الٰہی کی راہ اختیار کرتا ہے)۔

اے جانِ عزیز! جب کوئی پیرِ کامل کسی بھی طالبِ مولیٰ پر اپنا دستِ فیض اقدس رکھتا ہے تو اُسے راہِ طریقت اپنے تصرف سے خود عطا کرتا ہے اور طالبِ صادق وہ ہے جو اس فیض کے حصول کی خاطر مرشدِ کامل کی صحبت اختیار کرتا ہے اور اہلِ دل ہو جاتا ہے اور اس کا دِل صبح وشام اور ہر روز ہر وقت اعمالِ دِل[1] میں مشغول رہتا ہے اور ہر روز ہر وقت وھم کے ذریعے سیر (سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ) میں مشغول رہتا ہے اور ایسا ذکر پاس انفاس سے ہوتا ہے جس میں دِل خود بخود لقائے

---

[1] اعمالِ دِل سے مراد اسم اَللّٰهُ ذات کا ذکر وتصور کرنا اور ہر ساعت لقائے الٰہی میں مگن رہ کر سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے سرّ پر تفکر اور غور وفکر کرتے ہوئے راہِ فقر پر گامزن رہنا ہے۔

Marfat.com

الٰہی میں مشغول رہتا ہے اور کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں دِل وھم سے خالی ہو اسی وھم کی بدولت جب سانس باہر نکلتا ہے تو لَآاِلٰہَ[1] کے ساتھ نکلتا ہے اور جب سانس اندر آتا ہے تو اِلَّا اللّٰہُ[2] کے ساتھ اندر جاتا ہے۔ ایسے ذکر کے طریقہ کار میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور اس طریقہ ذکر میں ذاکر کا ہر سانس اللہ کے ذکر کے ساتھ چلتا ہے اور کوئی لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر نہیں گزرتا۔ حدیث مبارکہ ہے کہ عِنْدَ کُلُّ نَفْسٍ یَخْرُجُ بِغَیْرِ ذِکْرِ اللّٰہِ فَھُوَ مَیِّتٌ (ترجمہ: جو سانس بھی اللہ کے ذکر کے بغیر نکلتا ہے وہ مردہ ہے)۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا فَانْتَبَھُوْا مَضْرُوْنٌ (ترجمہ: لوگ غفلت کی نیند سو رہے ہیں اور بوقتِ موت بیدار ہوں گے) کے مطابق دِل اللہ تعالیٰ کی یاد سے زندہ[3] ہو جاتا ہے اور ذاکرِ حق کا دِل موت (ظاہری جسم کی موت) سے پہلے ہی اپنے دِل کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر لیتا ہے اور اس حدیث مبارکہ کے مطابق اَفْضَلُ الذِّکْرِ الْخَفِیِّ (ترجمہ: افضل ترین ذکر ذکرِ خفی ہے) ذاکر کا دِل ہر وقت وھم کی حالت میں ہوتا ہے۔ ذاکر کا ذکر نور میں بدل جاتا ہے اور پھر نورِ ذکر دِل میں خود بخود قائم ہو جاتا ہے۔ پھر ذاکر کا ذکر ذکرِ نور سے ذکرِ مطلوب میں بدل جاتا ہے اور تزکیۂ نفس[4] اور تصفیہ قلب[5] حاصل ہو جاتا ہے اور فتح دِل نصیب ہو جاتی ہے کہ باطنی عبادت فکر[6] اور تجلیہ[7] ہے، اور

---

[1] لَآاِلٰہَ سے مراد ہے نفی۔ یعنی دِل (باطن) سے ہر ایک چیز کی نفی کر دینا اور باطن کو صاف وشفاف کر دینا۔ [2] اِلَّا اللّٰہُ سے مراد اثبات ہے یعنی نفی لَآاِلٰہَ کے بعد جب باطن سے غیر اللہ کی محبت کے بت نکل جاتے ہیں تو پھر اِلَّا اللّٰہُ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات جلوہ گر ہوتی ہے۔ باطن سے غیر اللہ کی نفی اور لقائے الٰہی کا حصول صرف انسانِ کامل کی بیعت اور صحبت سے ممکن ہے۔ [3] موتوا قبل ان تموتوا (ترجمہ مرنے سے پہلے مر جاؤ) کے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے کہ غفلت کی نیند سے جاگو اور اپنے ظاہری جسم کی موت سے پہلے ہی اپنے نفس کو مار کر اپنے دِل کو زندہ کر لو۔ [4] تزکیۂ نفس سے مراد نفسِ امارہ سے نفسِ مطمئنہ تک پہنچنا ہے۔ [5] تصفیہ قلب سے مراد باطن کی صفائی یعنی باطن سے غیر ماسویٰ اللہ کا اخراج ہو جانا اور قلب کا لطیف ہو جانا مراد ہے۔ [6] فکر سے مراد تفکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اپنے اندر غور و فکر کرو" اسی سے فقر کی راہ پر گامزن رہا جا سکتا ہے۔ [7] تجلیہ روح سے مراد باطن میں ذاتی اور صفاتی تجلیات کا ظہور پذیر ہونا ہے جس سے باطن کی صفائی ہوتی ہے اور اللہ کی ذات جلوہ گر ہوتی ہے۔

Marfat.com

اس مقام پر ذکر دِل کے محل[1] سے دِل تک پہنچ جاتا ہے اور زبان کو بھی عزت حاصل ہوتی ہے اور ذکرِ خفی جو کہ دائمی ذکر ہے دِل میں جاری وساری ہو جاتا ہے اور طالبِ مولیٰ کے لیے اس جگہ سونا جاگنا برابر ہو جاتا ہے کہ ہر وقت ہر حالت میں اس کا ذکرِ پاس انفاس جاری رہتا ہے۔ اور وہ اپنے دِل کی نظر سے عالمِ ارواح کو دیکھ لیتا ہے اور اُسے اپنے مرشدِ کامل کا روحانی تصور[2] اپنے وجود میں حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اسے کسی لمحہ بھی اپنے آپ سے غائب نہیں سمجھتا بلکہ ہر وقت اپنے مرشد کامل اکمل کو اپنے ساتھ شمار سمجھتا ہے، اور جب بھی اُسے کوئی ایسی مشکل یا پریشانی پیش آتی ہے جو روحانی طور پر حجاب بن جائے تو اس کا مرشدِ کامل اکمل اس کی مدد کو پہنچتا ہے یا خود بخود وہ چیز جس میں طالب کو مشکل در پیش ہوتی ہے وہ منکشف ہو جاتی ہے یا اس کا مفہوم یک دم سمجھ آجاتا ہے۔ پس طالبِ مولیٰ کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور اس کی مشکل کسی کمی بیشی کے بغیر آسانی میں بدل جاتی ہے۔ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ (ترجمہ: اپنے دِل سے استفادہ کرنا) کے مطابق اپنے دِل سے رجوع کرتا ہے اور دِل اس کو راستہ دکھا دیتا ہے اور اس کا دِل روحانی پیر کے حکم کے مطابق فتویٰ دیتا ہے۔ مگر یہ مرتبہ بھی کامل مرتبہ نہیں ہے، اس مقام پر بھی نفس اپنی طرف مشغول کر سکتا ہے اور وسوسہ اور الہام میں فرق نہیں کیا جا سکتا۔ بعض اوقات نفس کا فتویٰ دِل کا فتویٰ شمار کیا جا سکتا ہے اسی لیے جو ان خطرات سے بچنا چاہتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ اُسے ان خطرات کا سامنا نہ کرنا پڑے تو اُسے چاہیے کہ وہ حضورِ دِل حاصل کرے کیونکہ حضورِ قلب حاصل ہونے کے بعد نفسانی خطرات طالب کو گمراہ نہیں کر سکتے۔ طالب کو چاہیے کہ اپنے دِل میں سلطانُ الوَھم کے تصرف سے سیر کرے اور جب وھم کے ذریعہ سے دِل کی سیر حاصل ہو جاتی ہے تو طالب اس وقت اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ وہ پہلے آسمان سے گزر رہا ہے پھر دوسرے آسمان اور پھر تیسرے آسمان سے گزر کر عرشِ مجید تک پہنچ جاتا ہے اور مقامِ روحانیہ (لاھوت) میں کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر وحدت کے دریا (عالمِ امر) میں

---

[1] دِل کے محل سے دِل تک پہنچنے سے مراد اسمِ اَللّٰہُ ذات کا کھل جانا ہے یعنی انسانِ کامل کی پہچان نصیب ہو جاتی ہے۔ [2] مرشد کامل سروری قادری کا روحانی تصور اپنے وجود میں حاصل ہو جانا فنا فی الشیخ کے مرتبہ کی ابتداء ہے۔

Marfat.com

غوطہ زن ہو جاتا ہے۔ یہ محض دِل کے طریقہ پر گامزن ہو کر ممکن ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہمتِ مؤثرہ کو لازمی پکڑ کر رکھنا چاہیے۔ اس کے بعد نفس طالبِ مولیٰ کی راہ میں حائل نہیں ہوتا مگر پھر بھی تین خطرات طالبِ مولیٰ کو درپیش رہتے ہیں اور عالمِ اوھام ہی عالمِ حقیقی کا ادراک کر سکتا ہے اور تحقیق کی منزل (حق الیقین) تک پہنچاتا ہے۔ وھم حواسِ باطن کو کشادہ یا بیدار کر دیتا ہے جس سے عالمِ معانی (عالمِ امر) واضح ہو جاتا ہے اور تجلیات کا ظہور نظر آتا ہے اور دِل میں اللہ تعالیٰ کا دائمی مشاہدہ (دائمی لقائے الٰہی کا مشاہدہ) نصیب ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر طالبِ مولیٰ کو زبانی ذکر کرنا منع ہے۔ حکم ہے کہ مَنْ عَرَفَ اللّٰہُ لَایَقُوْلُ اللّٰہَ (ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے وہ زبان سے اللہ اللہ نہیں پکارتا)۔ اس کی زبان پر سکوت کی مہر لگ جاتی ہے بلکہ وہ زبانی ذکر کرنے کو گناہ اور بے ادبی سمجھتا ہے جیسا کہ کسی بادشاہ یا کسی بزرگ کے سامنے پیش ہو کر اس کا نام لینا بے ادبی کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے اور ایسا کرنے والے کو مخلوق احمق اور دیوانہ سمجھتی ہے کہ جو سامنے حاضر ہے اس کا نام لے کر بار بار پکارنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس اسی طرح جسے اللہ تعالیٰ کی حضوری حاصل ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کا حق الیقین سے مشاہدہ کر لے تو اُسے بلند آواز سے ذکر کرنا تشویش میں مبتلا کر دیتا ہے اور حضوری حق تعالیٰ میں پہنچ کر ذکر بالجہر بے ادبی اور بے حرمتی تصور ہوتی ہے کہ اَلْمَجَازُ قَنْطَرَ الْحَقِیْقَتِ (ترجمہ: مجاز حقیقت کیلئے پُل کی طرح ہے[1])

شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تَوْبَتَ النَّاسِ مِنْ ذُنُوْبِھِمْ وَتَوْبَتِیْ مِنْ قَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ (ترجمہ:۔ لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور میری توبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے سے ہے)۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو حرف ہیں جو بولے، سنے اور سمجھے جاتے ہیں تو لَآ

---

[1] مجاز سے مراد مرشد کامل اکمل ہے جو حق تعالیٰ کا کامل مظہر ہے۔ فقر میں عشقِ مجازی سے مراد مرشدِ کامل اکمل سے عشق ہے اور یہی عشقِ مجازی طالبِ مولیٰ اور عشقِ حقیقی کے درمیان پل اور رابطہ ہے کہ عشقِ مجازی کے بغیر عشقِ حقیقی ممکن نہیں، یعنی اللہ تک رسائی وسیلہ "مرشد کامل اکمل" کے بغیر ممکن نہیں۔ مرشد کامل اکمل وہ ہے جو لقائے الٰہی اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضوری عطا کرے۔

Marfat.com

اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے توبہ کس طرح کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دینے سے توبہ نہیں ہوتی جب تک کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دِل کی زبان سے نہ کہا جائے پس زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا اور ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا دیکھنا اور ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں فنا[1] ہوکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہو جانا اور ہے۔ بطور معبود اگر جمالِ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملک وملکوت پر جلوہ گر ہوتا تو رَبِّ لَمْ یَزَل کے جلال سے ہر چیز ختم ہوجاتی مگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اپنی رحمت سے آہستہ آہستہ تمام مخلوق پر پیش فرمایا۔ پس جس کسی نے بھی حضرت محمد رسول اللہ سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ[2] کو سنا تو وہ بموجب اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط (الانفال۔4) (ترجمہ: یہی سچے مومن ہیں) کے مومن ہوجاتا ہے۔ جب مومن کے دِل (باطن) میں اللہ تعالیٰ کا جمال (حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دِل میں ظاہر ہوجانا) آجاتا ہے تو اس کے دِل سے تمام غیر ماسویٰ اللہ باآسانی نکل جاتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ شُعْبَۃً اَدْنَاھَا اَمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَاَعْلَاھَا شَھَادَۃُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ترجمہ:- ایمان کے ستر درجے ہیں۔ کم ترین درجہ راستے سے کانٹا ہٹانا ہے اور ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت[3] دینا ہے۔

آقا پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کا کمترین درجہ دنیا کو ترک کرنا ہے۔ اعلیٰ اور بہترین ایمان کا درجہ تصدیق بالقلب سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنا ہے۔

اے جانِ عزیز! یاد رکھ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مخلوق کے لیے صبر فرمایا اور مخلوق کو اپنی طرف رغبت دِلائی تاکہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرلیں اور جب مخلوق نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا

---

[1] فنا فی التوحید ہوکر خود توحید بن جانا۔ [2] حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سننے سے مراد مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حاضری ہے جو صرف اور صرف انسانِ کامل کے عطا کیے ہوئے اسم اَللّٰہُ ذات کے ذکر و تصور اور مشقِ مرقومِ وجودیہ سے ممکن ہے اور طالبِ مولیٰ درجہ بدرجہ عالمِ ناسوت سے ہوتا ہوا عالمِ وحدت تک پہنچ جاتا ہے۔ [3] شہادت ہمیشہ حق الیقین سے دی جاتی ہے اور شہادت دینے کے لیے تصدیق بالقلب کا ہونا لازم ہے۔

Marfat.com

اقرار کر لیا تو انہوں نے اپنے جان و مال سے منہ پھیر کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو ہی اپنا مقصود بنا لیا۔ جو کوئی دنیا میں مشغول ہوتا ہے اور یہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جو کہ سِرّ کی زبان سے پڑھنا چاہیے ظاہری زبان سے پڑھتا ہے تو اسے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے سے صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ اس کا مال اور اس کی جان محفوظ رہتے ہیں۔

اے جانِ عزیز! ایسا زبانی کلمہ پڑھنا بھی حرام ہے جو جان و مال کی حفاظت کے لیے پڑھا جائے اور دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا گزر نہ ہو، اور ایسا کلمہ پڑھنا بھی حرام ہے جو صرف زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے حروف کی ادائیگی ہو مگر دِل (باطن) کو اس کلمہ کی خبر نہ ہو۔ ایسا کلمہ پڑھنا بھی جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنا بھی حرام ہے (اقرار باللسان کرنا مگر تصدیق بالقلب نہ کرنا جھوٹ کے مترادف ہے)۔ آدمی جھوٹ اس وقت بولتا ہے جب وہ اپنے جان و مال کی حفاظت کر رہا ہو۔ پس یہ کلمہ زبان کے ساتھ ساتھ دِل سے بھی پڑھنا چاہیے کیونکہ اصل کلمہ دِل سے ہی پڑھا جاتا ہے۔ اور یہی اصل کلمہ پڑھنے کا طریقہ ہے کہ کلمہ دِل سے پڑھا جائے۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَالصاً مُخْلِصاً دَخَلَ الْجَنَّةَ بِلَا حِسَابِ (ترجمہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا خلوص سے پڑھنے والا بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوگا[1])۔ اس فرمان سے کیا مراد ہے؟ یہ زبانی کلمہ پڑھنے والے کے لیے نہیں فرمایا گیا بلکہ یہ فرمانِ الٰہی تو دِل سے کلمہ پڑھنے والے کے لیے ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یَا رسُول اللہ ﷺ وَاِنَّ زَنٰی وَاِنَّ سَرَقَ (ترجمہ: یارسول اللہ ایسا کلمہ پڑھنے والا بے شک زانی اور چور کیوں نہ ہو؟) آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا کہ وَاِنَّ زَنٰی وَاِنَّ سَرَقَ (ترجمہ: ہاں چاہے وہ زانی ہو یا چور ہو اگر وہ خلوصِ دِل سے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لے گا تو وہ بغیر حساب کتاب جنت میں جائے گا)۔ اسی لیے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ کیا تو نے

---

[1] حدیثِ مبارکہ (بخاری و مسلم)

Marfat.com

نہیں سنا کہ روحِ اعظم سے ظاہری وجود کی آمد تک اَللّٰہُ (اسمِ اَللّٰہُ ذات) ہی آغاز کرنے والا ہے اور قیامت تک جاری وساری رہے گا اور پھر جب قیامت برپا ہو جائے گی تو اس انتہا پہ اَللّٰہُ (اسمِ اَللّٰہُ ذات) ہی ہوگا اور اس کے سوا ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ اور اسم اَللّٰہُ ذات کی انتہا تک کوئی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں وہ تمام کی تمام اسم اَللّٰہُ ذات کی طے میں ہیں۔

اے جانِ عزیز! اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی تمام مخلوق کرتی ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیسے کرنا چاہیے؟ چونکہ حق تعالیٰ قدیم ہے اور قدیم کو زبانِ قدیم سے ہی یاد کرنا چاہیے اور زبانِ قدیم سے ہی یاد کرنا حقیقی ذکر ہے۔ قدیم کو ظاہری زبان سے یاد کرنا جائز نہیں ہے اور قدیم کا ظاہری جسدِ خاکی کی زبان سے ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حقیقی یاد تو دل سے یاد ہے[1]۔ چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ مَنْ عَرَفَ اللّٰہُ لَایَقُوْلُ اللّٰہِ وَ مَنْ قَالَ اللّٰہُ مَاعَرَفَ اللّٰہُ (ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ زبان سے اَللّٰہُ اَللّٰہُ نہیں پکارتا اور جو زبان سے اَللّٰہُ اَللّٰہُ پکارتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا)۔ تو کوشش کر کہ تجھے اوپر بیان کردہ قول سمجھ میں آ جائے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اور جو کوئی اللہ کو پہچان جاتا ہے یا اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ اللہ کو ظاہری زبان سے نہیں پکارتا اور جو کوئی ظاہری زبان سے اَللّٰہُ، اَللّٰہُ پکارتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہی نہیں۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے تو وہ زبانی الفاظ سے اَللّٰہُ اَللّٰہُ نہیں پکارتا بلکہ اسمِ اَللّٰہُ ذات کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے۔ سب سے پہلے پیر کو چاہیے کہ وہ مرید کو کہے کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھے۔ کلمہ پڑھانے کے بعد اس کے دل سے گزرے اور مرید کے دِل میں ھُو ھُو ھُو[2] کا وِرد جاری کر دے اور ھُو کے سوا اس کے وجود میں کچھ باقی نہ رہے یوں مرید کے وجود میں

---

[1] یہ یاد یعنی قدیم کو لسانِ قدیم سے پکارنا اسم اَللّٰہُ ذات کے ذکر سلطان الاذکار سے ہی ممکن ہے۔ [2] ''ھُو'' سلطان الاذکار ہے اور اسم اَللّٰہُ ذات کی آخری منزل ہے۔ اسے پاس انفاس کا ذکر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ذکر Inspiration (سانس کا اندر جانا) اور Expiration (سانس کا باہر آنا) میں جاری وساری رہتا ہے۔ یہ ذکر صرف اور صرف سروری قادری مرشد کامل اکمل صاحبِ مسمّٰی سے نصیب ہوتا ہے۔

Marfat.com

ھُو کا پھل پیدا ہو جاتا ہے۔اور غیر محل (دِل یا باطن کے بغیر) اور بلند آواز سے شدت سے زبانی ذکر کرنا مسلمانوں کے لئے باعثِ تشویش ہے۔اللہ تعالیٰ کا دیدار بلند آواز سے شدت کے ساتھ ذکرِ جہر یعنی زبانی ذکر کرنے سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ طالبِ مولیٰ کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ اصل چیز خلوص ہے اور طالبِ مولیٰ کو اسی خلوص کی ضرورت ہوتی ہے جو اُسے اسمِ اعظم یعنی اسمِ اَللّٰہُ ذات کے خفی ذکر سے عطا ہوتا ہے۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الاعراف۔205) (ترجمہ: اپنے ربّ کو پکارو دِل میں، خفیہ طریقہ سے اور زبان سے آواز نکالے بغیر)۔ایسے ذکر (اسم اَللّٰہُ ذات کے خفی ذکر سلطان الاذکار) سے اسم اَللّٰہُ ذات کی حرمت، حلاوت اور قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اسی ذکر سے بلا درجہ کی قوت عطا ہوتی ہے۔

زادالارواح میں ایک حکایت ہے کہ ایک صوفی اصل میں درویشِ کامل تھا، کفار کے شہر میں کسی کام سے گیا۔ جب وہ اس شہر میں پہنچے تو دیکھا کہ ادھر کے لوگوں نے ایک مرد کو سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔آپ نے پوچھا کہ اس مرد کو سولی پر کیوں لٹکایا گیا ہے۔ان لوگوں نے جواب دیا کہ اس نے گناہ کیا ہے کہ اس نے ہمارے بڑے بت کو سرِ بازار نام لے کر پکارا ہے۔اسی لیے اسے سزا دی جا رہی ہے تا کہ آئندہ کوئی ہمارے بت کا نام لے کر بے ادبی نہ کرے اور اگر کوئی بے ادبی کرے گا تو اس کو ایسی ہی سزا دی جائے گی۔ جب صوفی نے یہ سنا تو وجد میں آ گیا اور زبان سے ایک بات پکارنے لگا کہ اگر ایک بت کا نام ظاہری زبان سے لینے کی اتنی بڑی سزا ہے تو اس کا کیا حال ہوگا جو اسمِ اَللّٰہُ ذات غیر محل (باطن کے بغیر ظاہری زبان سے) اور غیر وقت میں اونچی آواز سے پکارتا ہو۔ایسا کرنا سراسر بے حرمتی اور بے حلاوتی ہے، ایسے لوگ خلوصِ دِل حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہیں کرتے اور نہ ہی فکر اور تفکر کرتے ہیں، نہ ہی سیرِ دل (باطنی سیر) حاصل کرنے کی خواہش کرتے ہیں اور نہ ہی راہِ حق کو تلاش کرتے ہیں اور نہ ہی اس بیت کی دعا کرتے ہیں کہ:

ما کامہا اضمار و قیا بہارا متحیّرم!
ندانم کہ تو خُود چہ نام دارے

(ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ! تجھے پانے کی میرے دل میں پوشیدہ آرزوؤں نے مجھے کمزور اور لاغر کر دیا ہے اور میں تیری ہر زمانہ میں نئی شان سے بہت ہی حیران ہوں کہ تجھے کس نام سے پکاروں کہ تو نے اپنا کیا نام رکھا ہے؟)۔

اے جانِ عزیز! جب سالک (طالبِ مولیٰ) مقامِ تجربہ[1] پر پہنچتا ہے تو سِرٌّ وَالْجَبَرُوْت (جبروت کا راز) اسے پتا چل جاتا ہے۔ اسے اللہ کے سوا کسی چیز کا وجود نظر نہیں آتا اور پھر وہ اپنے وجود سے بھی باہر نکل آتا ہے اور اس کے دل سے اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا (ترجمہ: اے اللہ میری حیرت میں اضافہ فرما) کی صدا بلند ہوتی رہتی ہے۔ پس اسے عالمِ ملکوت اور عالمِ جبروت نظر آتے ہیں اور وہ اپنی ہی روح سے خود مصافحہ کرتا ہے اور باطن میں انبیا اور اولیاء کی راہ دیکھ لیا کرتا ہے اور مَنْ لَہُ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ (ترجمہ: جس کا مولیٰ ہو گیا اسے سب کچھ مل گیا) کے مصداق یہ مرتبہ اپنے دل میں حاصل کر لیتا ہے۔ اب وہ جسے چاہتا ہے اپنے دل کے آئینہ میں دیکھ لیتا ہے اور جس سوال کا جواب معلوم کرنا ہو تو اس کا دِل اسے اس کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے۔ اس کا دِل اس کے دل سے کلام کرتا ہے اور اس کے دل کی آواز سنتا ہے پھر اس کے لیے قرب و دوری، نور و ظلمت اور زندہ و مردہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک مقام اس کے لیے خوشی کا مقام ہو جاتا ہے، جو چاہے کہے اور جو چاہے حاصل کرے اور اپنے دِل میں علم لدُنِّی اللّٰہَ (اللہ کا علمِ لدنی) حاصل کر لیتا ہے اور علمِ لدنی کو تحقیق کر لیتا ہے۔ پھر بندے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ ملائکہ، جن، پریاں اور دیو تمام اُس کے تابع ہو جاتے ہیں اور وہ ان تمام مخلوقات کو غیر شرعی کاموں سے دور رکھنے کی اپنے تصرفِ اوہام سے ہمت بھی رکھتا ہے۔

اس دوران طالبِ مولیٰ کے دِل میں جو کچھ بھی قرار پکڑتا ہے وہ سب حضرتِ دِل کے ظرف سے ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر امر اس کے دِل پر اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ اُس کا دِل مقامِ بقا تک پہنچ

[1] مقامِ تجربہ سے مراد حق الیقین کا مقام ہے۔

Marfat.com

چکا ہوتا ہے۔اس کا دِل اللہ تعالیٰ کی قیام گاہ[1] بن چکا ہوتا ہے۔اس مقام پر سالک کو سکون نہیں لینا چاہیے اور حالتِ قرار میں نہیں آنا چاہیے۔سالک کو چاہیے اس مقام پر کہ مزید آگے بڑھے اور اپنے نفس کو مزید دشواری میں ڈال دے اور قِلَّۃَ کَلَامُ وَقِلَّۃَ مَنَامُ وَقِلَّۃَ اِخْتِلَاطُ بِاَنَامِ وَقِلَّۃَ طَعَامِ (ترجمہ: کم بولنا، کم سونا اور کم میل جول رکھنا اور کم کھانا) کو اپنے اوپر لازمی کر لینا چاہیے اور سالک کو چاہیے کہ کوئی لمحہ بھی رنج و مشقت کے بغیر نہ گزارے۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (ترجمہ: مرنے سے پہلے مرجاؤ) کو اپنے اندر تحقیق کرے اور خود کو اپنے اندر سے نکال دے کیونکہ کوئی گناہ بھی اپنی خودی سے بڑھ کر نہیں ہے۔جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ وَجُوْدِ ذَنْبُ الْاُلْقَاصِ بِھَا (ترجمہ:- اپنی ہی خودی سب سے بڑھ کر گناہ ہے)۔اور اس مقام پر حواسِ ظاہر بند ہو جاتے ہیں اور حواسِ باطن بیدار ہو جاتے ہیں کہ یہی وھم ہے۔اور جب وھم اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو سالک اللہ تعالیٰ کو دیکھ اور پہچان لیتا ہے۔تو یہ بات جان لینی چاہیے کہ جب تک ظاہری حواس بند نہیں ہوتے اُس وقت تک باطنی حواس بیدار نہیں ہوتے۔

لَب بہ بند و گوش بہ بند و چشم بند
گر نہ بینی سرِّ ما سَر ما بہ خند

ترجمہ: تو اپنے ظاہری حواس مثلاً منہ، کان اور آنکھیں وغیرہ بند کر اور دِل میں اللہ کے سرّ کو دیکھ اور اگر نظر نہ آئے تو پھر مجھ پہ ہنسنا۔

اے جانِ عزیز! فَاِذَا السَّدِّ بَابُ حِسَّۃُ الْعَیْنِ فَتحَ بَابُ الْقَلْب (ترجمہ: جب ظاہری حسی آنکھ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے تو قلب کا دروازہ کھل جاتا ہے)۔اس حکم کے مطابق جب ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں تو باطنی حواس کھل جاتے ہیں اور بِطَرَقَ الْحَوَاسِ الظَّاھِرِ شَرْطِ الْفَتْحِ حَوَاسِ الْقَلْب (ترجمہ: حواسِ ظاہر کو ترک کر دینا ہی حواسِ قلب (باطنی حواس) کو کھولنے کی شرط ہے)۔ درجہ بالا حکم کے مطابق طالبِ مولیٰ کو اس نصیحت پر عمل کرنا چاہیے تا کہ حواسِ باطن سلطانِ وھم کے

---

[1] حدیثِ مبارکہ ہے کہ قلب المومن عرش اللہِ تعالیٰ (ترجمہ: مومن کا دِل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے)۔

Marfat.com

تصرف سے کھل جائیں اور اُسے عالمِ معنی اپنے روبرو نظر آنے لگے، موت اور حیات اُس کے لیے برابر ہو جائیں اور اُسے سیرِ وَھم میں کمال حاصل ہو جائے اور وہ مردِ حقیقی بن جائے۔ چنانچہ مردِ حقیقی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مردِ حقیقی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی یاد کے سوا کبھی قرار و سکون نہ مل سکے۔ ایسے مردِ حقیقی (انسانِ کامل) کے لیے سنت اور فرض کیا چیز ہیں؟ فرمایا کہ مردِ حقیقی کے لیے دنیا کو ترک کر دینا سنت ہے اور فرض یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہے۔ اے جانِ عزیز! ذکر جب کمال کو پہنچ جاتا ہے تو مربّی کامل (مرشد کامل اکمل) اپنے مریدِ صادق (طالبِ مولیٰ) کے دِل میں ہمت مؤثرہ پیدا کر دیتا ہے جس سے اُسے دائمی ذکر نصیب ہوتا ہے اور طالبِ مولیٰ اوہام کے ذریعے اس عالمِ وھم میں آنا اور جانا شروع کر دیتا ہے کیونکہ حکم ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی (ترجمہ: میں اپنے بندے کے ظن (گمان) سے بھی قریب ہوتا ہوں)۔ اس حکم کے مطابق عالمِ غیب (عالمِ امر) طالبِ مولیٰ کے دِل (باطن) میں تصرفِ سلطان الوھم اعظم (مرشد کامل اکمل) کے واسطہ سے جگہ بنا لیتا ہے۔ اس بات کی حقیقت جاننے کے لیے اس عبارت کو دیکھیں کہ تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سِتِّیْنَ سَنَۃً (ترجمہ: ایک لمحہ کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے) یہ تفکر مشاہدۂ غیب ہے یعنی باطن کا مشاہدہ کرنا اور باطنی رموز کے بارے میں تفکر کرنا ہے، اور یہ عالمِ تمثّل (عالمِ خلق) کے بارے میں بھی تفکر کرنا ہے۔ مختصراً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عالمِ غیب حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا دائمی ملاحظہ اپنے دل میں کرنا ہے جو ہمیشہ دِل میں نمودار رہتا ہے اور اوھام کے معنی کھل کر سمجھ آ جاتے ہیں۔ پھر عالمِ تجلّی رونما ہوتا ہے اور مرید اس جگہ کی بھی سیر کر لیتا ہے۔ یہاں پر اس کا وھم کامل ہو جاتا ہے۔ جب مرید اس مقام پر ترقی کرتا ہوا پہنچ جاتا ہے تو پھر اس مقام سے آگے بڑھ کر درمیانے درجہ کی سیر تک پہنچ جاتا ہے اور (اس دوران) اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دِل میں جلوہ گر رہتی ہے۔

مندرجہ ذیل مثنوی اس فقیر (سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ) نے خاص طور پر وَھم کے بارے میں لکھی ہے تاکہ جو بھی وصالِ الٰہی کی طلب رکھتا ہو وہ اس سے مستفید

Marfat.com

ہو سکے۔

تفکّر باوہام وحدت دِہد!
رساند بمولےٰ واز خود رہَد

ترجمہ: اوہام کے ساتھ کیا گیا تفکر وحدت تک پہنچاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات تک رسائی نصیب ہو جاتی ہے تو طالبِ مولیٰ کی خودی ختم ہو جاتی ہے۔

کہ وہم است سلطان تفکر وزیر!
تذکر بود لشکری تو دِل پذیر!

ترجمہ: کیونکہ وَھم سلطان ہے اور تفکر اس کا وزیر ہے۔ ذکر لشکر کی طرح ہے تو اس ذکر کو اپنے دِل میں جگہ دے۔

تجرد تفرد بکُن زادِ راہ!
بدیں تو شہ ہمت شود عین شاہ!

ترجمہ: تجرید و تفرید راہِ فقر کا زادِ راہ ہیں۔ پھر ہمت نصیب ہوتی ہے جو سلطان یا بادشاہ (مرادمرشد کامل اکمل) کی نظر میں منظور ہوتی ہے۔

وجود و ہمت رسانند بعالمِ وصال
تنت عین گردد از صحبتِ کمال

ترجمہ: جب تیرے وجود کو وَھم نصیب ہو جائے گا تو تُو عالمِ وصال تک پہنچ جائے گا۔ تیرا وجود بھی عین حق ہو جائے گا اور تجھے کمال صحبت یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جائے گی اور کسی لمحہ بھی تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے غافل نہیں ہوگا۔

چوں اُوہام گردد یقین گیر مَن
چناں جملہ آید بتدبیر مَن

ترجمہ: جب تجھے اوہام نصیب ہو جائے گا تو حق الیقین تیرے دل میں گھر کر لے گا اور راہِ فقر کی

Marfat.com

تمام تدبیریں تیرے دِل میں خود بخود آ جائیں گی اور تو اس راہ کی تمام رکاوٹوں کو پار کر کے فقر تک پہنچ جائے گا۔

چُوں سلطان وَہمت بیاید کمال!
بہر ساعت آید بدل صد جمال!

ترجمہ: جب سلطانِ وھم تجھے کمال تک پہنچائے گا تو ہر لمحہ تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کے جمال کے سینکڑوں جلوے ظاہر ہونگے۔

بدیں و ہمت خود را چُو آراستی
وصولِ حقیقت بخود یافتی!

ترجمہ: جب تو اپنے آپ کو وھم تک پہنچائے گا تو حق تعالیٰ سے وصال بھی تجھے خود بخود نصیب ہو جائے گا۔

اے جانِ عزیز! متوسط وہ ہے جو صاحبِ جمال ہو (جس کو اللہ تعالیٰ کا جمال یا حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نصیب ہو) اور وہ کسی مقام پر کسی حال میں قناعت نہ کرے بلکہ ہر مقام اور ہر حال سے گزرتا جائے۔ ہر وقت اللہ کی طلب کی خاطر اس کے دِل میں صدق موجزن رہتا ہے۔ سب سے پہلے حال سے گزرتا ہوا مقامات تک پہنچتا ہے اور اپنے سانس شمار کرتا ہے اور پھر انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ تاہم متوسط سائر[1] پر ہر وقت مختلف تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے اور کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں ہوتا جب اس کے دِل پر مختلف تجلیات کا نزول نہ ہوتا ہو۔ ہر وقت اس کے احوال اور مقامات بدلتے رہتے ہیں اور کبھی بھی وہ ایک مقام یا کسی ایک حال پہ نہیں ٹھہرتا۔ قلب المتوسط کریشة فی فلاة تقلبھا الریاح ظھرا وبطنا (ترجمہ: متوسط کا دِل گھنے جنگل میں پڑے ایک پَر کی مانند ہے جسے ہوائیں اِدھر اُدھر اُڑا لے جاتی ہیں اور اس کا کبھی کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہوتا)۔ اسی پَر کی طرح متوسط

---

[1] سائر سے مراد سیر کرنے والا ہے اور سیر دو طرح کی ہے۔ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ۔ سیر الی اللہ اللہ تک پہنچنے اور اس کا دیدار حاصل کر کے اسے پہچاننے کی سیر ہے اور سیر فی اللہ اللہ کے ساتھ سیر ہے۔

Marfat.com

کوایک لمحہ کے لیے بھی قرار اور آرام نہیں ملتا۔ کبھی وہ خوف کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی رجا کی کیفیت میں ہوتا ہے، کبھی شکر ادا کرتا ہے اور کبھی کسی حکم کی تعمیل میں کوتاہی برت جاتا ہے۔ کبھی حضوری میں ہوتا ہے اور کبھی فنا کی حالت میں ہوتا ہے، کبھی عاجزی و مفلسی کی حالت میں ہوتا ہے اور کبھی قرار و تحمل کی حالت میں ہوتا ہے، کبھی عشق و محبت کے حالات کی نمائش کرتا ہے۔ اس کے حالات و کیفیات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

اے جانِ عزیز! جیسے ہی طالبِ مولیٰ کا دِل اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو اس کا باطن تمام کدورتوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اُس کے دِل کا آئینہ صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔ پیرِ کامل، مریدِ صادق کے دِل میں عالمِ مشاہدہ اور عالمِ تمثل پیدا کر دیتا ہے اور اس کے دِل کو صاف اور روشن کر دیتا ہے تاکہ طالبِ مولیٰ کے دِل میں جو بھی وھم، ظن یا خیال اُجاگر ہوا ُسے اس کا یقین ہو جائے اور اس کا نقش طالبِ مولیٰ کے آئینہ دِل پر نمودار ہو جائے۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ

آئینہ دل را بذکر روشن بر نوا کن

تا در او بنگری جملہ تماشا خویش

ترجمہ: اپنے دل کے آئینہ کو (اسم اَللّٰہُ ذات کے) ذکر سے روشن کر اور پھر اللہ تعالیٰ کی صدا سن تاکہ تو اپنے دِل میں تمام عالموں کو دیکھ سکے۔

ہر چہ در دُنیا خیالت آں بود!

تا ابد الآباد وصالت آں بود

ترجمہ: دنیا میں جس کسی کا خیال دِل میں رہتا ہے یومِ حساب اس کو اُسی کا وصال نصیب ہوگا۔

اے جانِ عزیز! عالمِ غیب کی تجلیات جب دِل پر پڑتی ہیں تو ہر روز اور ہر لمحہ طالبِ مولیٰ کا دِل نور سے منور ہوتا رہتا ہے اور طالبِ مولیٰ اس نور کا مزید خواہاں رہتا ہے اور اس کی نظر مزید نور کے لیے بے قرار رہتی ہے۔ تجلّی ذات کا تعلق استعداد سے ہے۔ طالبِ مولیٰ کی استطاعت کے مطابق اُس کے دِل پہ ہر دَم اور ہر لمحہ ذاتی تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ طالبِ مولیٰ کا دِل

Marfat.com

صاف اور مزید روشن ہو جاتا ہے۔ اس پر جمالِ الٰہی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اسی جمالِ الٰہی (صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے اس کی زیب و زینت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے دِل میں لذتِ الٰہی اور شوقِ الٰہی بڑھ جاتا ہے اور اس کی ہمت مزید بڑھ جاتی ہے اور اس کا دِل مزید صاف ہو جاتا ہے۔

ہر چہ روئے دِلت صفا ترزد
تجلی تر مہیا تر بر دو نوع است

(ترجمہ: دِل کے آئینہ کا چہرہ جتنا صاف تر ہوتا جائے گا اس میں اتنی ہی زیادہ تجلیات کا نزول ہوگا۔ اور یہ تجلی دو اقسام کی ہے)۔ تجلی غیبی اور تجلی شہادتی۔ اور تجلی غیبی نورِ ذاتِ احدیت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ O (العنکبوت۔6) (ترجمہ: وہ ان تمام عالمین سے غنی ہے) اور اس نورِ ذاتِ احدیت کی تجلیات طالبِ مولیٰ کی استعداد کے مطابق اس کے دِل پہ نازل ہوتی ہیں۔ سَوَاءٌ کَانَ ذَاتِیًّا اَوْ اَسْمَائِیًّا (ترجمہ: اور یہ ذاتی بھی ہیں اور اسمائی بھی ہیں)۔ تجلیٔ ذاتی اور ہے اور تجلیٔ اسمائی اور ہے اور اسماء اور ہیں۔ تجلیاتِ ذاتی بھی تین قسم کی ہیں۔ ایک وہ ذاتی تجلی کہ جسے عطائے ذاتی کہتے ہیں۔ اہلِ ذات جب بھی چاہیں تجلیاتِ ذاتی ان پر نازل ہو جاتی ہیں۔ پہلی دفعہ تجلی سے وصال نصیب ہوتا ہے، دوسری تجلی سے مثال اور تیسری تجلی سے جمال اور مشاہدۂ حق نصیب ہو جاتا ہے۔ پہلی تجلی میں جب محبوب اپنا جمال محبّ کو دکھانا چاہتا ہے تو محبّ کے دِل میں اپنا تصور پیدا کر دیتا ہے اور محبّ اپنے محبوب کا جمال اپنے دِل کے آئینہ میں دیکھتا ہے۔ اس طرح محبّ اپنے وجود میں لذت بڑھتی ہوئی پاتا ہے اور اس کا ذوق مزید بڑھ جاتا ہے اور محبّ کے دِل میں پیدا ہونے والی یہ لذت اور شوق اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ ان کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ اور محبّ اسی محبت کے ذوق و شوق کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے کیونکہ لَا شَاهِدَ الْحَقَّ بِدُوْنِ الْمَوَدَّتِ (ترجمہ: جب دِل میں اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو جاتی ہے تو پھر اس دل میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے)۔ پس یہی غِنا ہے جس کا تقاضا ہے کہ دِل میں صرف اور

Marfat.com

صرف ذاتِ احدیت ہی ہو اور اسی ذاتِ حق کی محبت دل میں موجزن ہو۔ کَمَا هِيَ (کون اس جیسا ہے) کوئی بھی اُسے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی پا سکتا ہے اور کسی میں بھی اتنی طاقت نہیں کہ اُسے سن سکے۔ سبحان وجهه ما انتهی الیه البصر لحرقت الاعضاء (ترجمہ: پاک ہے وہ چہرہ جس کی کوئی انتہا نہیں، نہ تو کوئی آنکھ کی حرکت اور نہ ہی اعضاء اُسے مقید کر سکتے ہیں) اگر اُس کی طرف نظر کی جائے تو اعضاء جل جائیں اور ظاہری آنکھ کی بینائی ماند پڑ جائے۔ دیکھنے کی اور پانے کی طاقت صرف اور صرف ذاتِ احدیت مطلق (اللہ تعالیٰ) کو ہے یعنی وہ خود ہی اپنے آپ کو دیکھ اور پا سکتا ہے اُس کے علاوہ کوئی نہیں جو اُسے دیکھ اور پا سکے۔ چنانچہ اُس کے سوا کسی بھی دیکھنے اور پانے والے کا وجود ہی نہیں ہے اور ہر جگہ صرف احدیتِ مطلق ہی ہے تو پھر مخلوق کے وجود کی اصلیت ختم ہو جاتی ہے اور جب دیکھنے والے کے وجود کا ذرہ تک باقی نہ رہ سکے تو پس وہ کس طرح دیکھے اور اُسے کیا نظر آئے؟ پس عقل سے اس بات کی تحقیق ہوتی ہے کہ ذاتِ حق تعالیٰ کو اس کے مظاہر میں ہی دیکھا جا سکتا ہے اور ذاتِ حق کو اس کے مظاہر کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور روزِ محشر کو بھی اللہ تعالیٰ کو بغیر تمثل و مثال (مظاہر) دیکھنا مشکل ہے۔ چنانچہ عین القضات میں ہمدانی قدس اللہ روحہ اپنے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اگر اس راہِ فقر میں تمثل نہ ہوتی تو اس راہ کے تمام راہی کافر ہو جاتے۔'' اسی لیے عاشق کا دِل عین الیقین (دیکھ کر یقین کرنا) کے بغیر آرام و قرار میں نہیں رہتا اور نہ ہی عاشق کے دِل کو اپنے معشوق کو دیکھے بغیر تسلی اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ احدیتِ مطلق کی حقیقت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام۔103) (ترجمہ: کوئی آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی) کے مطابق اُسے دیکھنا اور پانا مشکل ہے۔ پس تسکین کے حصول کی خاطر جب محبّ کا دِل اپنے محبوب کو دیکھنے کی خواہش کرتا ہے تو محبّ اپنے دِلی سکون کی خاطر محبوب کا دیدار کرتا ہے۔ اس سے بھی کمال درجہ کا اطلاق یہ ہے کہ جب بھی محبّ چاہتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کو دیکھے تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے دِل میں اپنا تمثل ظاہر کرتا ہے جس کو دیکھنے سے محبّ کا دِل سکون پاتا ہے جیسا کہ

Marfat.com

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ (سورۃ البقرہ۔260) (ترجمہ: تاکہ میرا قلب مطمئن ہو جائے)۔

درجہ بالا ارشاد کے مطابق محبّ کے دِل میں تمثلِ ذاتِ احدیت دیکھنے کے بعد اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہر سانس کے ساتھ اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے واسطہ سے ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور وہ نور بن جاتا ہے۔ اس کے تمام اعضاء نور میں ڈھل جاتے ہیں اس کے اعضاء متفرق نہیں رہتے اور طالبِ مولیٰ کے دِل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا ثمر ظاہر ہو جاتا ہے۔ جب طالبِ مولیٰ کے تمام اعضاء میں تمثل دائمی ہو جاتا ہے تو تمام اعضاء نور بن جاتے ہیں۔ اُسے ابدالا باد تک سیر نصیب ہو جاتی ہے اور اُسے فیض حاصل ہو جاتا ہے اور روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اپنے تمثل کے ساتھ ہی تجلی فرمائے گا اور تمام مومنین اللہ تعالیٰ کا دیدار اُس کے تمثل کی ہی صورت میں فرمائیں گے۔ چنانچہ عین القضاۃ میں ہمدانی قدس اللہ رُوحہ ''وھم'' کی تمہید بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''وجودِ آخرت بھی تمثل پر ہے۔ تمثل کے ساتھ پہچاننا ہی اعظم کا کام ہے اور تمثل کے ذریعہ کسی چیز کو جاننا اور سمجھنا آسان ہے''۔ اللہ تعالیٰ اپنی ایک صورت دوسری دفعہ ظاہر نہیں کرتا اور دو آئینوں (دِلوں) میں ایک ہی صورت سے ظاہر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ''قوت القلوب'' میں شیخ ابو طالب مکی قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں کہ

لایتجلی فی صورۃ مرتین

ولا یتجلی فی صورۃ الاثنین

ترجمہ (وہ ایک صورت میں دو دفعہ تجلی نہیں کرتا اور نہ ہی وہ ایک جیسی دو صورتوں میں تجلی فرماتا ہے)۔

اے جانِ عزیز! اس جگہ دِل میں ہر لمحہ ہر گھڑی محبّ (اللہ تعالیٰ) کا نیا چہرہ پیدا ہوتا ہے۔ ہر لمحہ اس کی صورت بہتر سے بہتر اور خوب سے خوب تر ہوتی چلی جاتی ہے اور ہر دم اس کا نور بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اس کو دیکھنے کے بارے میں فرمان ہے کہ اس کو دیکھنا ایسا ہے کہ جیسے فتمثل لھا بشرا سویا (ترجمہ: اس کی مثال بشر کی سی ہے)۔ اس کا تمام جواب یہی ہے کہ یہ تمثل (بشر کی صورت)

Marfat.com

خاص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آقا پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ النظر الی الامر فان لھم لون کلون اللّٰہ تعالیٰ O (حدیث مبارکہ) (ترجمہ: جب میں اپنی طرف نظر کرتا ہوں تو میں اپنے اندر اللہ تعالیٰ کو ہی دیکھتا ہوں)۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس تمثل کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رایت رب العزت علی صورۃ امینی یعنی نبی الامی (ترجمہ: میں نے اللہ تعالیٰ کو امین[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی نبی اُمی[2] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مبارکہ میں دیکھا)۔ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبِ معراج کو واپس تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حقیقی مرید نے اپنی تحقیق اور تسکین کے لیے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو کس صورت میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رایت ربی لیلۃ للعراج صورۃ امرۃ قطط شباب (حدیث مبارکہ) (ترجمہ: شبِ معراج میں نے اللہ تعالیٰ کو گھنگریالے بالوں والے جوان کی صورت میں دیکھا)۔ یہ عبارت بھی تمثل (مظہرِ احدیت) پر دلالت کرتی ہے۔

اے جانِ عزیز! اس جگہ پر اس سِرّ (راز) کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے بغیر[3] دیکھنا اور شناخت کرنا (معرفت و پہچان حاصل کرنا) ناممکن ہے۔ جب تک طالبِ مولیٰ میں اس کی خودی (غیر ماسویٰ اللہ) موجود رہتی ہے اس وقت تک نہ وہ اللہ کو اللہ سے دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ تمام موجودات (دِل میں مخلوقات کا ہونا یعنی دِل میں اللہ تعالیٰ کے سوا غیر

---

[1] [2] امین اور اُمی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی اسمائے مبارک ہیں۔ [3] مراد یہ ہے کہ بندہ کے وجود سے غیر ماسویٰ اللہ نکل جاتے ہیں تو صرف اور صرف اللہ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی لیے معرفتِ حق تعالیٰ حاصل کرنے کے لیے صاحبِ لولاک ہونا لازمی ہے۔ جب طالب کا وجود، آنکھ، کان، چلنا سب کچھ اللہ ہو جاتا ہے تو پھر اللہ ہی اپنے آپ کو دیکھتا اور پہچانتا ہے جیسا کہ مرشد کامل اکمل اپنے طالبِ صادق میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ آئینہ جب مصفا ہو جاتا ہے تو آئینہ میں وہی عکس نظر آتا ہے جو آئینہ کے سامنے ہو۔ اسی لیے وہ خود ہی عاشق اور خود ہی معشوق ہے۔

Marfat.com

ماسویٰ اللہ کا ہونا) جب تک وجود میں ہوں گے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا مشکل ہے۔ جب تک طالبِ مولیٰ کے وجود سے خودی (غیر اللہ) نکل نہیں جاتی اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا راستہ دریافت نہیں کرسکتا۔ اور جب طالبِ مولیٰ کے وجود سے خودی (غیر اللہ) نکل جاتی ہے تو طالبِ مولیٰ مطلق فانی ہو جاتا ہے اور اس کا اصل وجود (روحِ قدم[1]) ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر طالبِ مولیٰ حق سے حق دیکھتا اور پہچان لیتا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ محی الدین قدس سرّہٗ العزیز ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

مَنْ رَائَ الْحَقَّ مِنْہُ فِیْہِ بِعَیْنِہٖ فَذٰلِكَ الْعَارِفُ وَ مَنْ رَائَ الْحَقَّ مِنْہُ بِعَیْنِ نَفْسِہٖ فَذٰلِكَ الْعَارِفُ وَ مَنْ رَائَ الْحَقَّ مِنْہ وَلَافِیْہِ وَالنَّظْرُ یَرَاہُ بِعَیْنِ نَفْسِہٖ فَھُوَ الْجَاھِلُ O

(ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو اللہ ہی سے، اللہ ہی میں، اللہ ہی کی آنکھ سے دیکھا پس وہ عارف ہے۔ اور جس نے اللہ کو اللہ ہی سے، اللہ ہی میں اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھ لیا پس وہ بھی عارف ہے اور جو کوئی اللہ کو اللہ سے نہ دیکھے نہ ہی اللہ میں دیکھے اور اپنی ظاہری نفسانی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا منتظر ہو تو پس وہ جاہل ہے)۔ جب اللہ تعالیٰ کا جمال طالبِ مولیٰ کے دِل میں جلوہ گر ہوتا ہے تو وَھم اور ولایت سے طالبِ مولیٰ کا دِل اس کے قبضہ میں آجاتا ہے اور طالبِ مولیٰ کے دِل میں اس قدر گنجائش اور وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ کوئی سانس اور کسی لمحہ بھی اس کا دِل تجلی الٰہی اور مشاہدۂ حق تعالیٰ سے خالی اور بے بہرہ نہیں ہوتا۔ اور طالبِ مولیٰ کے ظاہر و باطن حق ہو جاتے ہیں (عین ذاتِ ھو میں فنا ہو کر ھو ہو جاتے ہیں یعنی ''ہمہ اوست در مغز و پوست'') اور پھر وہ طالبِ مولیٰ جس طرف بھی چہرہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہی دیکھتا ہے۔

بخیالے تو از ہر سُو کہ نظر میکردم
حق راپیش چشم درودیوار متصور باشد

---

[1] روحِ قدم یعنی روحِ قدسی جو اللہ کی وہ خاص روح ہے جو اللہ ہی سے ہے اور اللہ ہی میں ہے۔ یہی روح انسان کی اصل حقیقت ہے جو عالمِ لاہوت لامکان تک رسائی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔

Marfat.com

ترجمہ: میں تیرے خیال (ذکر و تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات) میں اس قدر محو ہو چکا ہوں کہ میں جس طرف بھی نظر کرتا ہوں تیرا ہی جلوہ (تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات) نظر آتا ہے۔ ہر ایک در و دیوار اور ہر ایک نقش پہ تو ہی نظر آتا ہے۔

کسی بزرگ نے سچ کہا اور کیا خوب کہا ہے کہ

شہر بازار بہر سو در و دیوار کہ ہست
گوش ہرجا کہ نہادم ہمہ غوغا بہ بود

ترجمہ: شہر میں بازار میں ہر طرف ہر در و دیوار پہ جس جگہ بھی سنتا ہوں میرے کانوں میں تیرا (اسم اَللّٰہُ ذات کا) شور سنائی دیتا ہے۔

اے جانِ عزیز! جب اس تجلی سے طالبِ مولیٰ کی نظر فیض یاب ہو جاتی ہے اور طالبِ مولیٰ اللہ تعالیٰ کی دائمی صحبت (ہمیشگی قرب، دائمی تقویٰ) تحقیق کر لیتا ہے تو ہر وقت اور جب بھی طالبِ مولیٰ چاہتا ہے تو اس پر تجلیات کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔ اور طالبِ مولیٰ کے دِل میں مشاہدۂ حق تعالیٰ کرنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے شخص کو ابوالوقت[1] کہتے ہیں کہ وہ جس طرف بھی نظر کرتا ہے اُسے جمال ہی جمال نظر آتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ (البقرہ۔115)

(ترجمہ: پس تم جس طرف بھی اپنا چہرہ کرو گے تمہیں اللہ تعالیٰ کا ہی چہرہ نظر آئے گا)۔ اسی آیت مبارکہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اُسے اپنا چہرہ ہر وقت ہر دم دکھاتا رہتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ابوالوقت سے مراد انسانِ کامل ہے جو ایک وقت میں صرف ایک اور قدمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہوتا ہے۔ یہی ذات صاحبِ لولاک ہے جس تک پہنچنا اصل دین ہے ورنہ دین ابولہب کے دین جیسا ہے جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقت تک نہ پہنچ پایا۔

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ O (سورۃ المعارج۔23)

(ترجمہ: وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اپنی دائمی نماز میں رہتے ہیں)

اس آیت مبارکہ کے مطابق وہ لوگ ہمیشہ دائمی نماز میں رہتے ہیں اور اس جگہ سیرِ اوھام کامل ہو جاتی ہے۔ حکمِ باری تعالیٰ ہے یَا عَبْدِیْ اَنَا ظَنُّكَ (ترجمہ: اے بندے میں تیرے ظن اور گمان کے مطابق ہوں)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ (سورۃ ابراہیم۔48) (ترجمہ: جس دِن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی) اس آیت مبارکہ کے مطابق اللہ تعالیٰ طالبِ مولیٰ کے تمام اعضاء تبدیل کر دیتا ہے۔ پس اس کا قالب روح سے بدل جاتا ہے اور اس کا دِل اور روح ''عین ذات'' ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ فرید الدین عطار شطاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مرا سہ چیز می باید ز کونین
بنا بستن عمل کردن شُدن عَین!

ترجمہ: دونوں جہانوں میں سے مجھے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ بنیاد بناؤں (اسمِ اعظم کو)، دوسری یہ کہ عمل کروں (راہِ فقر پر چلتا رہوں) اور تیسری یہ کہ عین ہو جاؤں (راہِ فقر پر چلتے چلتے خود فقر ہو جاؤں)۔

تجلیٔ دوم یہ ہے کہ پیرِ کامل اپنے مرید صادق کے دِل میں اپنے تصرفِ اوھام سے نورِ تجلی خود پیدا کرتا ہے، نور کو اس کے دِل میں طاری کر دیتا ہے اور پھر مرید کا دِل دِن رات اس نور کے قبضہ میں رہتا ہے۔ ہر روز اس نور میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پھر وہ جس طرف بھی نظر کرتا ہے اُسے ہر طرف ہر چیز میں حق (اللہ تعالیٰ) ہی نظر آتا ہے کیونکہ طالبِ مولیٰ ہر چیز میں اس چیز کے اصل کو ادراک کرتا ہے تو اُسے ہر چیز میں اس چیز کی حقیقت نظر آتی ہے اور ہر چیز کی حقیقت ذاتِ باری تعالیٰ ہی ہے۔

چنانچہ امیر خواجہ فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

کہ جہاں صُورتست و معنی دوست
در بمعنی نظر کُنی ہمہ اوست

ترجمہ: یہ جہان ایک صورت ہے جس کی حقیقت ذاتِ حق ہے یعنی ذاتِ حق ہی موجود ہے اور اس کے معنی بھی ذاتِ حق ہی ہیں اور اگر ہم اس کے معنی پر نظر ڈالیں تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کے سوا کچھ موجود نہیں [1] لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ کچھ موجود نہیں سوائے ھو کے۔

جب سالک حقیقت پہچان لیتا ہے تو اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ھِیَ (ترجمہ: وہ ہر چیز کو اس کی اصل صورت میں دیکھتا ہے) کے مصداق ہو جاتا ہے۔ جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وَمَارَاَیْتُ اَشْیَاءَ اِلَّا وَ رَاَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ (ترجمہ: جس چیز کو بھی دیکھو اس میں اللہ ہی نظر آتا ہے) کے مطابق اُسے ہر نظر میں جلوہ نظر آتا ہے اور محبّ و محبوب کی نظر میں ایک دوسرے کو دیکھنے کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے تجلّیٔ غیبی اس طالبِ مولیٰ کی نظر میں پیوست ہو جاتی ہے۔ پس اب وہ جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اُسے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی تجلّی ہی نظر آتی ہے اور وہ کسی وقت بھی سیرِ دِل اور سیرِ اوھام سے فارغ نہیں رہتا۔ جب وَھم اور تفکر کمال کو پہنچتا ہے تو وہ حق یعنی اللہ تعالیٰ کو حق یعنی اللہ تعالیٰ سے ہی دیکھتا ہے اور اللہ سے ہی اللہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ طالبِ مولیٰ جان لیتا ہے کہ غیر وجود ہے ہی نہیں اور صرف اور صرف ایک ہی ذات موجود ہے جو کہ حق ہے۔ اگرچہ جتنی بھی کثیر التعداد چیزیں نظر آتی ہیں ان تمام کا وجود صرف موہوم ہے (دھوکہ ہے) کہ اَلدُّنْیَا وِھْمٌ (ترجمہ: دنیا وِہم ہے)۔ طالبِ مولیٰ کو اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں باقی تمام خیال ہے۔ اس طرح جب وِہم اور دو جہانوں کا خیال طالب کے دِل سے دور ہو جاتے ہیں تو طالب کے دِل سے تمام غیر اللہ ختم ہو جاتے ہیں اور کائنات کا کوئی ذرہ بھی اس کے دِل میں باقی نہیں رہتا۔ پس وہ عین الیقین کی نظر سے جدھر بھی اور جس طرف بھی دیکھتا ہے تو اُسے حق تعالیٰ ہی نظر آتا

---

[1] سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ رسالہ روحی شریف میں فرماتے ہیں کہ ''یہ دوئی محض تیری آنکھ کا بھینگا پن ہے''۔

Marfat.com

ہے کیونکہ اس کے دِل سے تمام غیر ماسویٰ اللہ نکل چکے ہوتے ہیں

؎ ہر چہ نظر کُنم ترا پندارم

ترجمہ: جس طرف بھی نظر کرتا ہوں اللہ کو ہی پاتا ہوں۔

تیسری تجلی وہ ہے جو زاہد (عبادت گزار) پر پڑتی ہے۔ اس پر معنی[1] ظاہر نہیں ہوتے۔ صورت (لقائے الٰہی) اور معنی محبّ کے دِل میں پیدا نہیں ہوتے۔ جبکہ سالک کے وجود کو تو جلالِ حق باقی ہی نہیں رہنے دیتا۔ سالک کا ظاہر و باطن ہلاک اور ختم ہو جاتا ہے۔ سالک اپنے وجود کی تلاش شروع کر دیتا ہے اور اُسے اپنے آپ کا شعور نہیں رہتا اور اس کی عادات اور تمام بشری رسومات ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے ظاہری و باطنی وجود میں حقیقت کو پالیتا ہے۔ اور اپنے وجود سے غیر اللہ کو باہر نکال دیتا ہے۔ پھر اس کی خودی یعنی اپنی ذات بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس کا نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ اور وہ یہ بیت پڑھتا ہے:

دریں شہر بگو یا تو باشی یا من
کاشفتہ بود کار ولایت بدو تن[2]

ترجمہ: اس شہرِ وجود میں تو رہ سکتا ہے یا میں رہ سکتا ہوں کیونکہ دو بادشاہوں کی موجودگی میں شہر کا نظام نہیں چلایا جا سکتا۔ ایک وقت میں کوئی ایک ہی بادشاہ رہ سکتا ہے۔

جب محبوب (اللہ) صورت اور معنی کا پردہ اپنے آپ سے اٹھا لیتا ہے تو محبّ کے جمال اور جمالی اوصاف ظاہر ہو جاتے ہیں اور اپنے محبّ سے گفتگو کرتا ہے اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ (سورۃ النصر۔1)

---

[1] معنی ظاہر ہونے سے مراد لقائے الٰہی یا دیدارِ الٰہی ہے۔ زاہد کو ہر چیز میں اس چیز کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا یعنی عین الیقین سے وحدت الوجود کا مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا۔ [2] جب تک طالبِ مولیٰ کے وجود سے ہر ایک بت کو نکالا نہیں جاتا ہر ایک چیز کی نفی نہیں ہوتی، لا کی تلوار نہیں چلتی اس وقت تک ذاتِ حق سالک کے دل میں ظاہر نہیں ہوتی اور یہی لَآ اِلٰہَ ہے اور پھر ذاتِ باری تعالیٰ کا دل میں جلوہ گر ہو کر سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے کر سالک کو فنا کر دینا اثبات یعنی اِلَّا اللّٰہُ ہے

Marfat.com

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچی)۔اس کے وجود سے تمام غیر اللہ نکل جاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہ جاتی ہے۔یہی نصرتِ الٰہی ہے۔حکم ہوتا ہے کہ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (بنی اسرائیل۔81) (ترجمہ: اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا) اس حکم کے مطابق طالبِ مولیٰ کی خودی (بشری اوصاف اور غیر اللہ) ختم ہو جاتی ہے۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ (النمل۔34) (ترجمہ: بیشک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں)۔جب اللہ تعالیٰ ظہور فرماتا ہے تو طالبِ مولیٰ کے وجود سے خودی کو باہر نکال دیتا ہے اور اس جگہ تو اور میں کا معاملہ نہیں رہتا۔اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

اندر رہ عشق یا تو باشی یا من!

ترجمہ: ''راہِ عشق میں یا تو رہے گا یا میں رہوں گا''۔[1]

ایک روز ایک مچھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے تیز ہوا کے چلنے سے آ کر گرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''کیا ہوا کو حاضر کریں اور اس سے پوچھیں کہ اس نے تیرے ساتھ ایسا کیوں کیا''۔ مچھر نے عرض کی ''یا نبی اللہ یا رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر مجھے مقابلہ اور مزاحمت کی طاقت ہوتی تو میں ایسے ہوا کا تھپیڑا کھا کر نہ گرتا۔کمی میرے میں ہے، ہوا بےقصور ہے''۔

در کدام آئینہ در آید او!
حق را روئے کے نماید او!

ترجمہ: یاالٰہی تیری ذات کس آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے اور میں کس طرح تجھے دیکھ سکتا ہوں؟۔

اے جانِ عزیز! یہ بات یاد رکھ کہ تجلی اوّل یعنی پہلی تجلی احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اور یہ تجلی خاص خاتم

---

[1] یعنی راہِ عشق میں طالبِ مولیٰ کی اپنی ذات ختم ہو جاتی ہے اور پھر اس میں ذاتِ حق ظاہر ہو جاتی ہے۔علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

Marfat.com

الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی اُمت کا خاصہ ہے۔ اور اِس کی تعریف یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰن (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا) اور یہ فرمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ[1] کے حق میں ہے۔ اور اس تجلی کا عین نزول بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ پر ہوا کیونکہ لِکُلِّ وَاحِدٍ تَجَلّٰی عَامًّا وَلِاَبِیْ بَکْرٍ تَجَلّٰی خَاصَّۃً (ترجمہ: ہر ایک کے لیے عام تجلّی ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے تجلّی خاص ہے)۔ جس پر بھی اس تجلّیٔ خاصہ کا نزول ہوتا ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباعِ کامل کی بدولت ہوتا ہے اور جسے یہ تجلّیٔ خاصہ نصیب ہو جاتی ہے اُسے اس کی بے حد لذت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے دِل میں بے شمار ذوق اور طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور اُسے صحبتِ کمال[2] نصیب ہو جاتی ہے۔ اُسے وھم کی قوت نصیب ہو جاتی ہے۔ اُسے ہر سانس کے ساتھ اور ہر وقت حلاوت محسوس ہوتی ہے اور اُس کے دِل میں ایک اور نور پیدا ہو جاتا ہے اور دِل اس تجلّیٔ خاص کا نظارہ کرتا ہے۔ پہلی تجلی یا تجلّیٔ اول کی علامت یہ ہے کہ ایک صورت دو دفعہ ظاہر نہیں ہوتی اور دو آئینوں میں ایک صورت ایک ساتھ ایک جیسی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ "قوت القلوب" میں شیخ ابو طالب مکی قدس اللہ سرّہٗ فرماتے ہیں کہ

لَایَتَجَلّٰی فِیْ صُوْرَۃٍ مَرَّتَیْنِ وَلَا یَتَجَلّٰی فِیْ صُوْرَۃِ الْاِثْنَیْنِ

(ترجمہ: وہ ایک صورت میں دو دفعہ ایک جیسی تجلی نہیں کرتا اور نہ ہی دو صورتوں میں ایک جیسی تجلی فرماتا ہے۔)

اے جانِ عزیز! اس جگہ محبّ کے دِل میں ہر لحہ ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے اور ہر لحظہ اس صورت کی خوبصورتی پہلے سے زیادہ اور خوب تر ہوتی چلی جاتی ہے اور ہر سانس کے ساتھ ایک نیا نور پیدا ہوتا ہے اور یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ (سورۃ المائدہ۔54) (ترجمہ: وہ ان سے محبت کرتا ہے اور

---

[1] صدیق سے مراد طالبِ صادق ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ صدیق کی صورت عین ھو کی صورت ہے۔ صدیق ہی انسانِ کامل کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ یہاں صدیق سے مراد انسانِ کامل کی ذاتِ اقدس ہے۔ [2] صحبتِ کمال سے مراد مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دائمی حضوری اور لقائے الٰہی کا حصول ہے۔

Marfat.com

وہ اس سے محبت کرتے ہیں) کا تقاضا کرتے ہیں۔ ہر وقت ان کی محبت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور محبوب ہر لمحہ اپنے محب کے لیے مشتاق تر ہوتا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو بھول کر محبّ کی ذات میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ پھر صرف محبّ کی ذات ہی باقی رہ جاتی ہے۔ ساقی شیخ فخر الدین عراقی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

چوں جمالش صد ہزاراں روئے داشت
بود در ہر ذرہ دیدارِ دگر

ترجمہ: چونکہ اللہ تعالیٰ کے جمال کی کئی سو ہزار بلکہ بے شمار صورتیں ہیں مگر اس کی ہر ایک صورت ہر ذرہ میں ایک نئی صورت میں جلوہ گر ہے۔

لاجرم ہر ذرہ را بنمود!!
بازار از جمالے خویش رخسارے دگر

ترجمہ: بے شک وہ ہر ذرّہ میں ایک نئی صورت سے جلوہ گر ہے۔ جب بھی تو اُسے دوبارہ دیکھے گا تو وہ پہلے والی صورت میں نظر نہیں آئے گا بلکہ ایک نئی صورت میں اپنے جمال کے جلوے بکھیرتا ہوا نظر آئے گا۔

خود یکیست آں اصل عدد
بہر آنکہ تابود ہر دم گرفتار دِگر!

ترجمہ: حقیقت میں تو وہ ذات ایک ہی ہے۔ بہر حال وہ ہر سانس کے ساتھ ایک نئی صورت[1] میں ظاہر ہوتا ہے۔

---

[1] ارشادِ باری تعالیٰ ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (سورۃ الرحمٰن۔29) (ترجمہ: ہر روز اس کی ایک نئی شان ہے) علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”چونکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں نہ رسول جو نئی شریعت لائے لیکن آپ کے بعد ہر زمانہ میں ایک ایسا فردِ کامل ہوتا رہے گا جس میں حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوگا اور وہ فنا فی الرسول کے مقام سے مشرف ہوگا۔ وہ فردِ کامل قطبِ زمان ہے اور ہر زمانہ میں ایک ولی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے۔ بقیہ صفحہ نمبر 84

Marfat.com

اے جانِ عزیز! ہر سانس کے ساتھ اور ہر لمحہ کے ساتھ جب محبوب (اللہ تعالیٰ) اپنے جمال کو خوب تر کر کے اپنا آپ دکھاتا ہے تو طالبِ مولیٰ کے دیدار کا اشتیاق اور بڑھ جاتا ہے اور پھر جب محبّ (طالبِ مولیٰ) بھی اپنے آپ کو مزید بہتر کرتا ہے تو فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ O (سورۃ التین۔4) (ترجمہ: ہم نے اسے احسن تقویم کیا یعنی سب سے بہترین بنایا) کے مطابق محبّ محبوب کو ہر جگہ، دِل کی نظر سے مزید صاف اور شفاف دیکھتا ہے اور اس کا مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی ایک نظر سے کئی دفعہ لقائے الٰہی کرتا ہے۔ محبّ کو ایسی بصیرت نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ ایک نظر سے بے شمار دیدار کرتا ہے اور محبّ کا دِل ہر وقت گردش میں رہتا ہے۔ محبّ کا دِل محبوب کے لیے بیقرار رہتا ہے۔ دِل کا حال یہ ہوتا ہے کہ جیسے اَلۡقَلۡبُ قَرِیۡشَۃً فِیۡ فَلَاۃٍ تَقَلُّبُھَا الرِّیَاحُ ظَھۡرًا وَبَطۡنًا (ترجمہ: اس کا دِل جنگل میں پڑے ایک پر کی مثل ہے کہ جسے ہوا اِدھر اُدھر اُڑائے پھرتی ہے)۔ ہر جگہ اور ہر لمحہ اس کا دِل گردش میں رہتا ہے اور اس کے قلب میں گردش پیدا رہتی ہے اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اِذۡ تَکَرَّرَ تَقَلُّبٌ (ترجمہ: یہ ذکر ہے ایسے قلب کا جو ہر وقت گردش میں رہتا ہے) اور یہ احوال ہیں متوسط یعنی درمیانہ درجہ والے طالب کے۔ اور جب یہ حالت دائمی ہو جاتی ہے تو وہ ہر لمحہ ھُوَ وَاحِدٌ (ھو واحد ہے) پکارتا ہے اور ھو کی مختلف صورتیں اس کے دِل میں پیدا ہوتی ہیں۔ مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ (ترجمہ: اور جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے درحقیقت اپنے ربّ کو پہچان لیا) جب بھی وہ کسی چیز کو پاتا ہے تو اپنے ربّ کے مطابق ہی پاتا ہے۔ وَلَوۡنَ الۡمَآءِ کَلَوۡنِ الۡاَنَآءِ (ترجمہ: پانی جس برتن میں ڈالا جاتا ہے اُسی برتن کی شکل

بقیہ حاشیہ نمبر1 صفحہ نمبر 83: ہر زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ازل سے لے کر ابد تک اپنا لباس بدلتے رہتے ہیں اور اکمل افراد کی صورت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ (فصوص الحکم والایقان از شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ۔ ترجمہ وشرح محمد ریاض قادری، علم وعرفان پبلیشرز)۔

سیّد عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب انسانِ کامل میں فرماتے ہیں ''حقیقتِ محمدیہ ہر زمانہ میں اُس زمانے کی اکمل کی صورت میں اُس زمانہ کی شان کے مطابق ظاہر ہوتی ہے۔ یہ انسانِ کامل اپنے زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خلیفہ ہوتا ہے''۔ (ترجمہ فضل میراں، ناشر نفیس اکیڈمی کراچی)

Marfat.com

اختیار کر لیتا ہے) اگر طالبِ مولیٰ کو ایسا نظر نہ آئے تو سمجھ لو کہ اس کا قلب ہر جگہ گردش میں ہے۔ اَلْقَلْبُ بَیْنَ اَصْبَعَیْنَ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ (ترجمہ: قلب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جس طرف چاہتا ہے قلب کو پھیر دیتا ہے)۔ طالبِ مولیٰ کے آئینۂ دِل میں بھی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور ہر لمحہ اُسے آئینۂ دل میں نئی صورت نظر آتی ہے۔

نظارہ کناں روئے خویت چوں در نگذار اندازِ کرامت ہا

و روئے خویش بیند و نجاست و تفاوت نشان ہا

(ترجمہ: جب دیکھنے والے آپ کے چہرے کا نظارہ کرتے ہیں تو اس کرامت کی مدح کیے بغیر نہیں گزر سکتے اور جب وہ اپنے چہرہ کو دیکھتے ہیں تو سوائے نجاست اور نقص کے انہیں کچھ نظر نہیں آتا)۔

اے جانِ عزیز! اللہ تعالیٰ کے دیدار اور محبت میں مست لوگوں کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ایک نئی شان نظر آتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

کُلَّ یَوْمٍ ھُوَفِیْ شَاْنٍ O (سورۃ الرحمٰن۔29)

ترجمہ: ہر روز ھو کی ایک نئی شان ہے۔

اس آیت مبارکہ پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ہر لمحہ تَقَلَّبُ وَ تَنَوُّعَ (ترجمہ: گردشِ قلب اور تبدیلیٔ باطن) طالبِ مولیٰ کے دِل کی مسلسل گردش اور تبدیلی کی بدولت ھو ہر لمحہ ایک نئی شان سے ظاہر ہوتا ہے اور لَوْنُ الْمُحِبِّ وَلَوْنُ الْمَحْبُوْبِہٖ (ترجمہ: محبّ اور محبوب کی کیا صورت بنتی ہے) اور اس صورت کا سِرّ (راز) اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ یہ نور تمام مظاہر میں جاری و ساری ہے اس طرح محبوب کو محبّ نئی نئی صورت میں نظر آتا ہے۔ جب محبوب کے وجود میں محبّ قرار پکڑ لیتا ہے تو دونوں ایک ہو جاتے ہیں اور ان دونوں کے وجود میں کوئی فرق نہیں رہتا (ترجمہ: ان میں کوئی

---

[1] حضرت علامہ ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں کہ ''کائنات میں موجود ہر شخص اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسم کا مظہر ہے''۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ اسم اَللّٰہُ ذات یعنی ''اَللّٰہُ'' رب الارباب ہے، جو اس کا مظہر ہوتا ہے اس میں تمام صفاتی اسماء مجتمع ہوتے ہیں اور تمام صفاتِ الٰہیہ بمع ذات اس میں ظاہر ہوتی ہیں۔

Marfat.com

فرق نہیں ہے)۔

رِقَّتُ الزُّجَاجِ وَرِقَّتُ الْخَمْرِ وَتَشَابَهَا وَتَشَاكِلَا

فَكَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدْحٌ وَكَاَنَّمَا قَدْحٌ وَلَا خَمْرٌ

ترجمہ: لطیف ہونے کے باعث دونوں ایک جیسے ہو گئے ہیں ان کی مشابہت بھی ایک جیسی ہو گئی اور ان کی شکل وصورت بھی ایک جیسی ہو گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ صرف شراب ہی ہے جام نہیں ہے اور کبھی ایسا لگتا ہے کہ صرف جام ہے مگر شراب نہیں ہے۔

تجلیٔ صفات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام مبارک اسمائے حسنہ میں سے کوئی ایک اسم طالبِ مولیٰ پر غالب[1] آجاتا ہے اور اس طالبِ مولیٰ کے باطن پر یہی اسم تجلی کرتا ہے۔ اس اسمِ صفاتی کے آثار اس کے دِل میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس اسمِ صفاتی کے تمام خواص طالبِ مولیٰ کے دِل میں قائم ہو جاتے ہیں اور اس کی تاثیر طالبِ مولیٰ کے دِل میں جاری وساری ہو جاتی ہے۔ جس طرح اَلْعَلِيْمُ (اللہ تعالیٰ کا صفاتی اسم مبارک) حضرت آدم علیہ السلام میں ظاہر ہوا۔ اس اسم کی یہ خاصیت ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (سورۃ البقرہ۔31) (ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اسماء کا علم عطا کیا) اسی علم کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام نے ہر چیز کے نام رکھے کیونکہ اسی علم کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اندر تمام اشیاء کو منقش پایا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اَلْمُحْيِیْ (زندہ کرنے والا) جیسے صفاتی اسم کا ظہور ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بھی کسی مردہ کو ہاتھ لگاتے تو وہ زندہ ہو جاتا اور حیات بھی حاصل کر لیتا تھا اور اس کو عمر بھی نصیب ہو جاتی تھی۔ اسی طرح ان اسماء کو دیکھتے ہوئے ہم دوسرے اسماء کی شناخت، ان کی تجلیات اور صفات کو سمجھ سکتے ہیں۔

اے جانِ عزیز! تجلیٔ شہادت یہ ہے کہ جب طالبِ مولیٰ پر غیبی تجلی کا نزول ہوتا ہے تو طالبِ مولیٰ اس غیبی تجلی سے معمور ہو جاتا ہے۔ اس نورِ تجلیٔ غیبی سے اس قدر سیراب ہو جاتا ہے کہ تمام اشیاء میں اُسی ذات کو دیکھتا ہے جس کی تجلی نے خود اس طالبِ مولیٰ کو معمور کیا تھا۔ یہ ذاتِ ذات

Marfat.com

مطلق ہے اور اب وہ جس چیز کو بھی دیکھتا ہے چاہے وہ اشیاء سو ہوں یا ہزار، اُسے ان تمام اشیاء میں وہی ذاتِ مطلق نظر آتی ہے اور اُسے تمام چیزوں کی حقیقت ایک ہی نظر آتی ہے کیونکہ اُس کی نظر ہر چیز کی حقیقت پر ہوتی ہے اور ہر چیز کی حقیقت ذاتِ مطلق یعنی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وَمَا بَقِيَتْ لَهٗ صُوْرَتٌ اِلَّا وَيَرٰى عَيْنُ الْحَقِّ عَيْنِهَا هٰذِهٖ اَیُّ الْمَعْرِفَتِ التَّامَّةِ الْكَامِلَةِ الَّتِیْ جَآءَتْ بِهَا شَرِيْعَةُ الْمُطَهَّرَةِ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَحِكْمَةٌ اَيْضًا بِهَا الْاَوْهَامُ كُلِّهَا وَلِذٰلِكَ كَانَتِ الْاَوْهَامِ اَقْوٰی سُلْطَانًا فِیْ هٰذِهٖ النَّشَاَةُ۔

(ترجمہ: اور پھر طالبِ مولیٰ کے لیے ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ حق کو عین حق دیکھتا ہے اور یہی مکمل معرفت ہے جو شریعتِ مطہرہ میں اللہ کی طرف سے حکمت کے ساتھ نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح اوھام ہے جو معرفت تک پہنچاتا ہے یعنی معرفت تک پہنچنے کے لیے کامل اوھام ہونا لازمی ہے کیونکہ اوھام ہی اِس راستہ (فقر) کا قوی سلطان (مرشد کامل اکمل) ہے)۔

اے جانِ عزیز! شطّار اپنے کام (کھیل کھیلنے) کے بل بوتے پر ہے اور یہاں یہ (شطّار) مبالغہ کے صیغہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ شطّار شطرنج کھیلنے والے کو کہتے ہیں۔ جیسے کہ شطّار شطرنج کے بے شمار داؤ پیچ سے واقف ہوتا ہے' پس راہِ سلوک (راہِ فقر) کا شطّار وہ ہے کہ جسے راہِ سلوک نصیب ہو۔ جسے اس راہ کا سِرّ معلوم ہو اور وہ کسی ظاہری عمل کا محتاج نہیں ہوتا کہ راہِ سلوک کا شطّار اپنی سیر وھم کے ذریعے کرتا ہے۔ اس کی سیر بادل کی طرح ہوتی ہے اگرچہ جاہل اس بادل کو ایک جگہ ٹھہرا ہوا سمجھتا ہے مگر حقیقت میں بادل ہر وقت چلتا رہتا ہے۔ طالبِ مولیٰ کو ہر وقت لامتناہی سیر حاصل ہوتی ہے اور کوئی بھی طالبِ مولیٰ کی (راہِ فقر میں) سیر سے آگاہ نہیں ہوتا۔ شاطر کیا ہے۔ شاطر کسے کہتے ہیں۔ شاطر اُسے کہتے ہیں کہ جو دین و دنیا میں تھوڑے کام کے بدلہ زیادہ اجر طلب کرے۔ ایک بزرگ نے اپنے کسی دوسرے دوست بزرگ سے پوچھا کہ عجیب بات ہے کہ کوئی دِن رات سویا رہے اور قافلے کے ساتھ بھی روانہ نہ ہو اور پھر منزل پر پہنچنے کی امید رکھے۔

Marfat.com

دوسرے بزرگ نے جواب میں لکھا کہ "اے بھائی! اس راہ میں کچھ ایسے مرد بھی ہیں جو دِن رات سوئے رہتے ہیں اور قافلہ کے ساتھ بھی روانہ نہیں ہوتے اور پھر منزل پر پہنچنے کی بھی امید کرتے ہیں۔" ایسے ہی مردانِ خدا کو شطّار کا نام دیا گیا ہے کہ وہ دن رات سوتے ہیں اور بیداری میں کھانے پینے اور مباشرت کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور پھر بھی ان کا سفر جاری رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سائر ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی سیر کا کسی کو بھی علم نہیں ہوتا کہ اَلْاَنْبِیَآءُ یُصَلُّوْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ (ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنے قلوب میں نماز ادا کرتے ہیں) یہ عبارت ایسے ہی شان والوں کے بارے میں ہے اور قَالِبُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَ قُلُوْبُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ (ترجمہ: ان کے جسم دنیا میں اور ان کے دِل آخرت میں ہیں) یہ عبارت بھی انہی لوگوں کے لیے ہے۔ یہ لوگ اوھام کے ذریعے مخفی سیر کرتے ہیں۔ شطّار کو اس چلتے ہوئے کیڑے کی رفتار سے بھی تعبیر کرتے ہیں کہ جس کی رفتار بہت ہی سست ہوتی ہے مگر وہ دور تک سفر طے کر لیتا ہے اور یہ سب اہلِ دِل لوگوں کی اصلاح کے لیے بیان کیا ہے۔ اَرَادَالنَّاسُ عَلٰی وَضَعَ بِشَیْءٍ (ترجمہ: عام لوگ چیزوں کی ظاہری صورت دیکھتے ہیں)۔

اے جانِ عزیز! اس حکم مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (ترجمہ: مرنے سے پہلے مرجاؤ) کے مطابق طالبِ مولیٰ کو چاہیے کہ اپنا دِل اپنی روح (روحِ قدسی، روحِ قِدم) کے ساتھ ملا دے اور اپنا دِل اللہ تعالیٰ کے لقاء کی خاطر علماء[1] کے سپرد کر دے اور پھر یہ بیت پڑھے:

اے جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست
روزی رخش بہ نیم تسلیم وے کُنم

ترجمہ: اے ادھار میں ملی ہوئی زندگی میں تجھے اپنے دوست کے سپرد کرتا ہوں۔ آج شاید تیری کوئی قیمت ہو، شاید تجھے آج میرا دوست قبول کر لے۔

---

[1] یہاں علماء سے مراد علمائے ظاہر یا علمائے سُو نہیں بلکہ علمائے حق یا علمائے باطن مراد ہیں جو علمِ لدنی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں مراد مرشد کامل اکمل ہے جو اسم اَللّٰہُ ذات کے ذکر و تصور و مشقِ مرقومِ وجودیہ کے ساتھ ساتھ اپنی نگاہِ کرم سے علمِ لدنی سے نوازتا ہے۔

Marfat.com

اور مرنے سے پہلے مرجا اور یہ بیت اپنی جان کو اللہ کے سپرد کرنے کے بارے میں ہے:۔

جان بجانان دہ اگر نہ بستاند اجل!

خود تو منصف باش بنگر ایں نیکو یا آں نیکو

ترجمہ: یہ جان دوست پر نچھاور کردے، اس سے پہلے کہ فرشتۂ اجل تیری جان اُچک لے۔ تو خود ہی انصاف کر کہ یہ جان خود ہی دینا بہتر ہے یا یہ کہ وہ یعنی فرشتۂ اجل لے جائے۔

اے جانِ عزیز! اپنی ظاہری زندگی میں ہی دنیا اور آخرت کو چھوڑ دے کہ اَلدُّنْیَا حَرَامٌ عَلٰی اَهْلِ الْاٰخِرَةِ وَالْاٰخِرَةِ حَرَامٌ عَلٰی اَهْلِ الدُّنْیَا وَهُمَا حَرَامَاتٌ عَلٰی اَهْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی[1] (ترجمہ: دنیا اہلِ آخرت پر حرام ہے اور آخرت اہلِ دنیا پر حرام ہے اور دنیا اور آخرت دونوں اہلِ اللہ پر حرام ہیں)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی بھی دنیا اور آخرت کو چھوڑ دیتا ہے وہ مرنے سے پہلے مرجاتا ہے اور کبھی بھی وہ کسی بھی لمحہ سیر سے خالی نہیں رہتا مگر اے جاہل تجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آتی۔

دنیا است بلاخانہ و عقبےٰ نعیم وجود

من حاصل ایں ہر دو بیک جو بستاند!

ترجمہ: دنیا بلاؤں کا گھر ہے اور عقبیٰ نعمتوں کی جگہ ہے۔ مجھے یہ دونوں حاصل ہیں مگر میرے دِل میں ان کی قدر جو کے دانہ سے زیادہ نہیں۔

ایں غرّہ بدنیا باشد و آں غرہ بعقبیٰ

من فارغ ازیں ہر دو نہ ایم نہ آنم

ترجمہ: ایک گروہ تو دنیا پر مغرور ہے اور دوسرا گروہ جنت پر مغرور ہے۔ میں ان دونوں سے فارغ ہوں، نہ میں دنیا والے گروہ میں ہوں نہ طالبِ عقبیٰ کے گروہ میں ہوں۔

اے جانِ عزیز! اس جگہ وھم کامل ہوجاتا ہے سُلطَانُ الْوَھمِ اَعْظَمُ فِیْ هٰذِهِ النَّشَاَةِ الْاِنْسَانِیَةِ (ترجمہ: سلطان الوھم سب سے بڑا ہے اور تمام انسان اس کے تابع ہیں)۔ سلطان

---

[1] حدیث مبارکہ

Marfat.com

الوھم کے تصرف سے زندگی عالمِ ملک ملکوت میں جاری وساری ہے۔ اسی سلطان الوھم کی بدولت طالبِ مولیٰ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ پس جب بھی طالبِ مولیٰ کے دِل سے کوئی چیز گزرتی ہے تو وہ چیز کچھ ہی دنوں میں سلطان الوھم کی قوت سے طالبِ مولیٰ کے دِل میں جاری ہو جاتی ہے۔ طالبِ مولیٰ کا دِل سلطان الوھم کی بدولت اللہ تعالیٰ کا قلم بن جاتا ہے۔ اس جگہ پر جو چیز بھی طالبِ مولیٰ کے دِل میں آتی ہے اس کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے جس سے طالبِ مولیٰ تجاوز نہیں کرسکتا۔ اس طالبِ مولیٰ کا دِل جس طرف بھی کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ہی ارادہ ہوتا ہے۔ اور تمام عالمِ ارواح اس کے روبرو ہوتا ہے اور اپنے اوھام کی بدولت جسے چاہتا ہے اپنے سامنے حاضر کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔ اور اس کا حکم تمام پر جاری ہو جاتا ہے اور وہاں کوئی بھی اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح مبارکہ کی بدولت تمام انبیاء اور اولیاء کرام کی ارواحِ مقدسہ سے ملاقات کرتا ہے۔ وہ جس چیز کی خواہش کرتا ہے اُسے وہ چیز مل جاتی ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے عالمِ دِل سے دور نہیں رہتی۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ عارف سے زیادہ کوئی چیز بھی قوت رکھنے والی نہیں ہے۔

اے جانِ عزیز! اس مقام پر پیر کامل اپنے متوسط (درمیانہ درجہ والے) طالبِ مولیٰ کے دِل سے ذکرِ نفی[1] کو نکال دیتا ہے اور پیرِ کامل اپنے تصرف سے طالبِ مولیٰ کے دِل میں ذکرِ اثبات اِلَّا اللّٰہُ جاری کر دیتا ہے تاکہ طالبِ مولیٰ کو دائمی سیرِ دِل (باطن کی سیر) حاصل ہو جائے۔ ہر لمحہ طالبِ مولیٰ کی سیر پہلے سے بہتر ہو اور طالبِ مولیٰ کا کوئی سانس بھی ذکر سے خالی نہ ہو۔ فکر ایک ایسا حال ہے جو کسی وقت ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں ہوتا لیکن دِل میں ہمیشہ کے لیے اپنا گھر بنا لیتا ہے کہ دِل کسی لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ چنانچہ نزہت الارواح میں لکھا ہے کہ "جو کوئی بھی عشق کا دعویٰ کرتا ہے وقت کے قاضی کو چاہیے کہ اس دعویٰ کرنے والے سے دو گواہ طلب کرے۔ یہ گواہ ذکر اور فکر ہیں۔ اگر یہ دونوں یعنی دائمی ذکر اور فکر شاہد ہوں اور دونوں متفق ہو کر لفظ اور معنی سے

---

[1] ذکرِ نفی سے مراد لَآ اِلٰہَ ہے۔

Marfat.com

شہادت دیں تو یہ دعویٰ درست ہوگا اور اس کو اجر نصیب ہوگا۔ اب یہ دعویٰ خارج اور جھگڑا ختم''۔

اے جانِ عزیز! شریعت کی نماز اور ہے اور نمازِ طریقت و حقیقت اور ہے۔ شریعت کی نماز یہ ہے کہ ظاہری ارکان اور احکامات کو ادا کیا جائے۔ طریقت کی نماز یہ ہے کہ دِل میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کیا جائے اور نورِ بصیرت سے عالمِ حقیقت کو دیکھ سکے اور اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ o (سورۃ الذٰریٰت۔56) اَیْ لِیَعرِفُوْنَ (ترجمہ: ہم نے جن وانس کو تخلیق کیا اپنی عبادت یعنی معرفت کے لیے)۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي (ترجمہ: اور نماز میرے ذکر کے لیے قائم کرو)۔ اس نماز میں طالبِ مولیٰ اللہ تعالیٰ کا اپنے صدق سے مشاہدہ کرتا ہے۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o (سورۃ الانعام۔162) (ترجمہ: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام عالمین کا رب ہے)۔ ظاہر و باطن میں وہ نمازی ہو جاتا ہے اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ o (ترجمہ: نماز مومن کی معراج ہے)۔ نماز طالبِ مولیٰ کے دِل میں عروج پیدا کرتی ہے اور اس مقام پر فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ o (سورۃ القمر۔55) (ترجمہ: صدق کی مجلس میں مقتدر عظیم بادشاہ کی سلطنت میں داخل ہو جاؤ)۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے لَاصَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (ترجمہ: حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی)۔ دِل کو حاضر کر لینے سے منزل تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اَلْمُصَلِّيْ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ (ترجمہ: نمازی اپنے ربّ سے مناجات کرتا رہتا ہے) اور اللہ تعالیٰ اُسے بخش دیتا ہے۔ اَرِحْنَا يَا بِلَالُ (اے بلال اللہ راحت دیتا ہے)۔ جب اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتا ہے تو فرماتا ہے فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۵ لا وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ (سورۃ الواقعہ۔89) (ترجمہ: پس راحت ہے اور پھول اور باغات ہیں اور جنتِ نعیم[1] ہے)۔ یہ خطاب طالبِ مولیٰ کو خوشی اور فرحت بخشتا ہے وَالْاِطْلَالُ

[1] جنتِ نعیم وہ ہے جس میں انواع و اقسام کی نعمتیں ہیں اور جنتِ قرب وہ ہے جس میں کچھ نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے لقاء اور قرب کے۔

Marfat.com

شَوْقَ الْاَبْرَارِ اِلَی تَعَالٰی (ترجمہ: اور طالبِ مولیٰ کا شوق اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا باعث بنتا ہے) وَاِنِّیْ اَللّٰھُمَّ لَاشَدَّ شَوْقًا اِلَیْکَ (اے اللہ میں تیری ملاقات کا بے قراری سے مشتاق ہوں)۔ لہٰذا وہ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ (ترجمہ: میں اپنا ذکر کرنے والوں کا دوست ہوں) کے مطابق اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور قُرَّۃُ الْعَیْنِ فِی الصَّلٰوۃِ (الحدیث) (ترجمہ: نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے) اس حدیث مبارکہ کے مطابق طالبِ مولیٰ کے دِل میں روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ہر رکن کی ادائیگی اپنے دِل کے مشاہدہ سے کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ o (سورۃ الحجر۔99) (ترجمہ: اپنے رب کی اتنی عبادت کر کہ تجھے (دل سے) یقین ہو جائے) وَاللّٰہُ فِی الْقَلْبِ الْمُصَلِّیْ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نمازی کے دِل میں ہوتا ہے) کے مطابق اس کا جمال طالبِ مولیٰ کو اپنے دِل میں نظر آتا ہے۔ وَاعْبُدْ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (ترجمہ: اس طرح عبادت کر کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے) کے مطابق اس میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے نماز میں لقائے الٰہی نصیب ہو جائے اور اگر ایسا نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ حقیقت کی نماز یہ ہے کہ توحیدِ مطلق ظاہر ہو جائے اور نمازی کی بشریت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی تمام رسومات وعادات ختم ہو جاتی ہیں اور تمام غیر ماسویٰ اللہ اس کے وجود سے نکل جاتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہُ (ترجمہ: فقر جہاں ختم ہوتا ہے وہی اللہ ہوتا ہے) پس اللہ تعالیٰ اس کے وجود میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کہ

ہیچ باشی چو جُفت کردی تو
ہمہ باشی چو ہیچ کردی تو!!

ترجمہ: تو اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہے جب تک تو اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے لیکن جب تو اپنے آپ کو نیچا سمجھتا ہے تو اس وقت تو سب کچھ ہے۔

اے جانِ عزیز! اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے کے بعد جب طالبِ مولیٰ کا دِل طریقت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس کے دِل میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ اس کے ہر ہر سانس کے ساتھ

Marfat.com

شوق اور اشتیاق بڑھتا جاتا ہے (یعنی وہ ھل من مزید پکارتا ہے جس کا مطلب ہے کہ مجھے اور چاہیے)۔ اس دریائے عشق کا کوئی کنارہ نہیں اور پھر اس دریائے عشق میں ایک شعلہ بھڑکتا ہے جس سے یار کا درد ختم ہو جاتا ہے اور جب یار کا درد بھی ختم ہو جاتا ہے تو اسی مقام کو راہِ طریقت کی انتہا کہتے ہیں۔ چنانچہ مریدِ تحقیق (حقیقت کو جاننے والے مرید) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ مقام (یعنی راہِ طریقت کی انتہا) حاصل ہے کہ ایک دن اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے گھر گئیں تو انہیں کباب (گوشت کے آگ پر بھونے جانے) کی خوشبو آئی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ''اے والدِ محترم! آپ (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں تو کباب بن رہے ہیں اور اس بھونے ہوئے گوشت کی خوشبو اس ضعیف کے دماغ کو پہنچ رہی ہے۔ دو روز ہوئے کہ میں نے کچھ نہیں کھایا کیا آپ کو میری یاد نہیں آئی''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اے میری بیٹی! یہ جو کباب کی خوشبو تیرے دماغ تک پہنچی ہے یہ تیرے بابا کے سوختہ (بھونے ہوئے) جگر کی ہے کہ جو دن رات ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے درد سے کباب کی طرح جل رہا ہے''۔ نیز اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ دَائِمُ الْفِكْرِ وَطَوِيْلُ الْحُزْنِ (ترجمہ: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دائمی فکر میں اور زیادہ تر حزن میں رہتے تھے)۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دائمی فکر میں رہتے یعنی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں رہتے اور کسی سانس اور کسی لمحہ بھی مشاہدۂ تجلّیٔ حق تعالیٰ سے باز نہ رہتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دِل میں زیادہ تر حزن رہتا تھا یعنی ہر سانس اور ہر لمحہ دردِ عشق اور شعلۂ اشتیاق میں مبتلا رہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں جہانوں سے بیزار ہو کر فرماتے ہیں کہ ''کفر کافر کے لیے ہے اور دین دیندار کے لیے ہے اور درد اللہ تعالیٰ کی عطا ہے''[1] اے جانِ عزیز! درمیانے درجے کا سائر (سیر کرنے والا

---

[1] حدیث مبارکہ ہے ترجمہ: ''طالبِ دنیا مخنث (ہیجڑے) ہیں، طالبِ عقبیٰ مؤنث ہیں اور طالبِ مولیٰ مذکر ہیں۔ درجہ بالا بیان بھی اس حدیث مبارکہ کا عکاس ہے کہ کافر کے لیے کفر، دیندار کے لیے دین اور طالبِ مولیٰ کے لیے درد ہے یعنی خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یہی عطائے الٰہی ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

Marfat.com

طالبِ مولیٰ جسے سیر فی اللہ اور سیر الی اللہ حاصل ہو) اور محبت کرنے والا شطّار[1] وھم کامل کے ذریعہ سے ہمت حاصل کرتا ہے اور جو چاہتا ہے ویسا تصرف حاصل کر لیتا ہے اور ہر وہ مقام کہ جس کی مرید خواہش کرتا ہے (مرشد کامل) اُسے عطا کرتا ہے۔ اس مقام پر وہ مالک اور تصرف کرنے والا ہو جاتا ہے۔ وہ جس کام کو بھی شروع کرتا ہے اُس کے لیے آسان ہو جاتا ہے اور انجام کو پہنچتا ہے۔ جس قدر طالبِ مولیٰ عالمِ اوہام میں کامل ہوتا چلا جاتا ہے اُسے اس قدر ہی تصرف حاصل ہوتا جاتا ہے۔ نیز اس جگہ ہوشیار ہونا چاہیے اور اُسے رکنا نہیں چاہیے بلکہ آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ اُسے چاہیے کہ اپنے ظاہر (قالب) کو بھی دِل کے رنگ میں رنگ لے۔ توحیدِ مطلق[2] یہ ہے کہ وہ اپنے آپ میں محو ہو جائے۔ یہ تمام عالم لطیف ہیں اور ان کی حقیقت طالبِ مولیٰ کے دِل میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ اس راہ کی تمام منزلیں، مقامات اور تمام ذرات کی انتہا وھم سے حاصل کر لیتا ہے۔ طالبِ مولیٰ کو اس مقام پر بھی نہیں رکنا چاہیے۔ حکم ہے کہ مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَہٗ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ (ترجمہ: جس نے دو یوم سے زیادہ ایک جگہ پہ استویٰ کیا وہ نقصان میں ہے)۔ لہٰذا طالبِ مولیٰ کو ایک مقام پر رک کر اپنا نقصان نہیں کرنا چاہیے اِنَّ اللّٰہَ مَعَالِیْ (بے شک اللہ تعالیٰ بلند و بالا ہے)۔ طالبِ مولیٰ کو ترقی کرنی چاہیے اور عروج حاصل کرنا چاہیے۔ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (سورۃ النجم۔42) (ترجمہ: بے شک ہر چیز کی انتہا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے) لہٰذا طالبِ مولیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھتے رہنا چاہیے اور رکنا نہیں چاہیے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے کہ اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِیَآءِ (ترجمہ: اولیاء اللہ کے قلوب پر سکون حرام ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس کو حق سمجھنا چاہیے اور ہر کام میں قدم آگے بڑھاتے ہوئے اُسے مکمل کرنا چاہیے۔ کسی بھی مہم کو نامکمل نہیں چھوڑنا چاہیے، یہ کوئی مردانگی نہیں ہے کہ راہِ فقر کو ترک کر کے واپس لوٹا جائے۔

---

[1] شطرنج کے کھلاڑی کو شطّار کہتے ہیں۔ یہاں شطّار سے مراد طالبِ مولیٰ اور راہِ فقر کا راہی ہے۔ [2] توحیدِ مطلق سے مراد "ہمہ اوست در مغز و پوست" ہے یعنی ظاہر و باطن اللہ ہی ہے۔

Marfat.com

مصرعہ

خُسرو چُو عِلم شُدی بکارے آخردران بگوئے یارے

ترجمہ: خسرو کو جب اپنے کام کا علم ہوا تو اُس نے اپنے آپ کو یار کی گلی میں پایا۔

اے جانِ عزیز! اس مقام پر طالبِ مولیٰ متوسط سائر اور محبت کا شطّار ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس مقام سے آگے سیر کرتا ہے تو وہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور واصل باللہ ہو جاتا ہے وَاصِلُ اللّٰہُ الْھَادِیُ عَلَی الرِّشَادِ (ترجمہ: ھادی یعنی ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ سے واصل ہوتا ہے) اصل منتہی صاحبِ نفس ہے اور سالک حق الیقین ہے اور ابوالوقت ہے۔ اس کا مقام محو (نفی) ہے اور اثبات قبولیت ہے۔ اس جگہ وہ جہاں سے چاہتا ہے مقامات کو عبور کرتا ہے اور مقامِ تمکین[1] تک پہنچ جاتا ہے۔ اُسے اس راہ کے احوال متغیر نہیں کرتے اور نہ طالبِ مولیٰ پر اِن کا کوئی اثر ہوتا ہے۔ حال چاہے شدید ہو یا نرم ہو، منع ہو یا عطا ہو، جفا ہو یا وفا ہو، اس کے لیے یہ تمام برابر اور ایک جیسے رہتے ہیں۔ اس کا کھانا اور بھوک برابر ہوتے ہیں، اس کا سونا اور جاگنا برابر ہوتے ہیں، اس کی تمام خواہشات ختم ہو جاتی ہیں اور صرف اس کے حقوق[2] باقی رہ جاتے ہیں۔ اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا باطن خالق کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہتا ہے۔

اے جانِ عزیز! واصل کی انتہا دائمی سیر ہے جہاں اس کا وھم کامل ہو جاتا ہے تَفَکُّرُ سَاعَةٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَیْنِ (ترجمہ: ایک لمحہ کا تفکر دونوں جہانوں کی عبادت سے بہتر ہے)۔ یعنی انتہائی واصل کا ایک لمحہ کا کیا گیا تفکر جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اسی وجہ سے انتہائی واصل[3] کی وھم کے ذریعہ سے سیر دیگر تمام سیر ہا سے بہتر ہے اور کوئی سیر بھی اس کی سیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایک لمحہ کے تفکر سے وہ وھم کے ذریعہ ہزار سال کی مسافت طے کر لیتا ہے اور وھم کے ذریعہ سے بہت

---

[1] تمکین مقامِ استقرار ہے اس مقام پر طالب صاحبِ مقام ہوتا ہے اور مغلوب الحال نہیں ہونے پاتا۔ [2] اس مقام پر طالبِ مولیٰ ظاہر میں عبودیت پہ ہوتا ہے اور باطن میں ربوبیت پہ ہوتا ہے۔ [3] انتہائی واصل سے مراد ایسا طالب مولیٰ ہے جو فنا فی الشیخ، فنا فی اسم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور فنا فی اللہ ہو کر فنا فی ھو ہو چکا ہو اور ھو میں گم ہو کر خود ھو بن چکا ہو۔

Marfat.com

زیادہ تجلیات کا اس پر ظہور ہوتا ہے۔ اور یہ راہ تمام جن وانس کی عبادت سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اس راہِ (فقر) کا تعلق دِل کی سیر سے ہے نہ کہ ظاہری اعضاء سے ہے۔ چنانچہ حکم ہے کہ جب انتہائی واصل پر بہت زیادہ تجلیات کا گزر ہوتا ہے تو وہ عین[1] ہو جاتا ہے اور خود کو محبوب کے لباس میں ملتبس پاتا ہے۔ وہ احدیت کے سمندر میں اس طرح غوطہ لگاتا ہے کہ خود کو اس میں گم کر دیتا ہے اور نظر نہیں آتا۔ اور جب وہ بحرِ احدیت سے نمودار ہوتا ہے تو اسے زندگی و امید اور خوف کی پہچان نہیں رہتی کہ وہ بحرِ غرق ہے۔ اس جگہ نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ o (سورۃ الرحمٰن۔26) (ترجمہ: ہر ایک چیز کو فنا ہے) لہٰذا اس کی خودی يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ o (سورۃ الرحمٰن۔27) (ترجمہ: بقا ہے صرف اللہ تعالیٰ کے چہرہ کو) کے فیض سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس چہرہ کے ساتھ باقی ہو کر وہ ہر قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ نماز میں کہتا ہے کہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ (ترجمہ: ھُو واحد ہے اور ھُو کا کوئی شریک نہیں[2]) اس پر احدیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ طُوْبٰى لِمَنْ يَقُوْلُ اِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ بِخَمْرِ الضَّوْءِ يُضِيْءُ فِيْهِ سُكْرَاتِ الشَّوْقِ (ترجمہ: خوشخبری ہے ان کے لیے جنہوں نے کہا کہ جب مخمور صبح طلوع ہوتی ہے تو وہ شوق والوں کی سکر و مستی میں اضافہ کرتی ہے)۔[3]

اے جانِ عزیز! جب منتہی اپنے آپ سے گزر جاتا ہے اور دریائے بحرِ وحدت میں پیوست ہو جاتا ہے تو واحدیت مطلق اس کے ظاہر و باطن پہ غالب آ جاتی ہے اور لحہ بہ لحہ اُس کے

---

[1] یعنی توحیدِ مطلق تک پہنچ جاتا ہے اور یہ مقام صرف اور صرف انسانِ کامل کا ہے جو قدم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوتا ہے اور ہر زمانہ میں موجود ہوتا ہے۔ [2] فقر میں ھو کے سوا کسی دم اور کسی لحہ میں کسی اور کو دیکھنا شرک ہے اور ھو کے سوا نہ کچھ ہے اور نہ ہی کچھ دیکھا جا سکتا ہے۔ ھو ہی ھو کو دیکھتا ہے کہ ھو کے سوا کچھ موجود نہیں لاالٰہ اِلاَّ ھو۔ جسے ھو کی پہچان نہیں وہ ھو یا اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ اس شرک سے بچاؤ کا واحد راستہ صرف اور صرف اسم اَللّٰہُ اور اسمِ مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اور تصور ہے جو محض انسانِ کامل کی عطا ہے جو ھو کی پہچان کرواتا ہے۔ [3] یعنی جب طالبِ مولیٰ اپنے باطن میں لقائے الٰہی کی منزل کو پہنچتے ہیں تو وہ چہرۂ ھُو (ویبقٰی وجہُ ربك) کے جلووں کے لیے "ھل مِن مزید" کی صدا بلند کرتے ہیں۔

Marfat.com

وجود کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ اُسے اپنا کوئی شعور نہیں رہتا۔ وہ نور میں گم ہو جاتا ہے اور ہر ایک قید سے آزاد ہو کر خود کو نور میں پیوست کر لیتا ہے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے کہ

نیت را کعبہ و کنشت یکے است

سایہ را دوزخ و بہشت یکے است

ترجمہ: نیت کے لیے کعبہ اور بت خانہ ایک جیسے ہیں اور سایہ کے لیے دوزخ اور جنت ایک ہیں۔

عارفین سے اَصۡبَحۡتُ (صبح) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا وَلَا صَبَاحُ عِنۡدِیۡ وَلَا مَسَاءُ (ترجمہ: میرے نزدیک نہ صبح ہے اور نہ شام ہے)۔ اس جگہ پہ جہاں میں ہوں نہ شام ہے اور نہ صبح ہے، نہ امید ہے اور نہ خوف ہے، نہ حاصل ہے اور نہ مقام ہے اِنَّمَا الصَّبَاحُ وَالۡمَسَاءُ لِمَنۡ یَسۡتَفِیۡدُ وَھٰذَا صِفَتُ لِذَاتِہٖ وَاَنَا الصِّفۡتُ لِیۡ (ترجمہ: صبح اور شام تو اس کے لیے ہیں جو وجود کی قید میں ہوتا ہے کیونکہ یہ صفاتِ ذات ہیں اور میری صفت تو اَنَا ہے[1]) جب میری ذات ہی نہیں تو صفات کیونکر ہونگی۔ جب منتہی واصل اَلۡفَقۡرُ لَا یُحۡتَاجُ اِلَی اللّٰہِ وَلَا غَیۡرِہٖ (ترجمہ: فقر نہ خدا کا محتاج ہوتا ہے اور نہ اُس کے غیر کا محتاج ہوتا ہے) کی منزل پہ پہنچ جاتا ہے تو وہ اِذَا تَمَّ الۡفَقۡرُ فَھُوَ اللّٰہ (ترجمہ: جہاں فقر مکمل ہوتا ہے وہی اللہ ہے) سے موصوف ہو جاتا ہے، تَخَلَّقُوۡا بِاَخۡلَاقِ اللّٰہِ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ) اور اَلصُّوۡفِیۡ ھُوَ اللّٰہُ (ترجمہ: صوفی ھُو ہے جو کہ اللہ ہے) کی تعریف سے معروف ہو جاتا ہے۔ اس میں اغیار داخل نہیں ہو سکتے اور اس سے دوئی کا وھم نکل جاتا ہے اور اس کا ظاہر و باطن یک رنگ ہو جاتا ہے اور لَیۡسَ فِیۡ جَنۡبِیۡ سِوَیَ اللّٰہِ (ترجمہ: میرے پہلو میں اللہ کے سوا کچھ نہیں) کو اپنے اندر تحقیق کر لیتا ہے اور وہ اللہ کے سوا ہر قید و بند سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اور دونوں جہان سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں اس طرح محو ہو جاتا ہے کہ جیسے وہ کبھی تھا ہی نہیں اور وَھُوَ الۡاٰنَ کَمَا کَانَ

---

[1] اَنَا سے مراد "ھُو" ہو جانا ہے جیسا کہ منصور حلاج نے بھی اَنَا الحق کا نعرہ بلند کیا تھا اور یہ مقام صرف اور صرف انسانِ کامل کا ہے جس کا دِل تمام عالمِ امر اور عالمِ خلق کا جامع ہے اور تمام کائنات کا وجود اس کی وجہ سے ہے۔

Marfat.com

(ترجمہ: وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ تھا)۔ ازل اور ابد اس کے سامنے ایک نقطہ کی مثل ہو جاتے ہیں وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ (سورۃ الواقعہ۔ 11,12) (ترجمہ: اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے، وہی مقرب ہیں) کے مطابق اُسے سبقت حاصل ہو جاتی ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ۔ 5) (ترجمہ: وہی لوگ اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں) کے مطابق وہ فلاح والے لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور درج ذیل حکم کے مطابق قدم رکھتا ہے کہ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (سورۃ القمر۔ 55) (ترجمہ: صدق کی مجلس میں مقتدر اور قادر اللہ کی بارگاہ میں)۔ پھر وہ نہایت عروج اور کمال کو پہنچ جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (سورۃ المائدہ۔ 3) (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا) کے مطابق اس کی ہمت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اُس پر اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (سورۃ المائدہ۔ 3) (ترجمہ: میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی) اس آیت مبارکہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خورشید آب و تاب سے چمکتا ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ کے نور میں ڈھال دیتا ہے۔ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ (سورۃ المائدہ۔ 3) (ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی رضا دینِ اسلام ہے) وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ المنافقون۔ 7) (ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے ہیں تمام آسمانوں اور زمین کے خزانے) اور اس کے دِل میں یہ بات ودیعت کر دی جاتی ہے کہ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝ (سورۃ الدھر۔ 20) (ترجمہ: اور جب تو ادھر نظر اُٹھائے گا تو تجھے بڑی بڑی نعمتیں اور بڑی بادشاہت نظر آئے گی) لہٰذا بادشاہت طالبِ مولیٰ کے تصرف میں آجاتی ہے۔ وَمَنْ لَهُ الْمَوْلٰى فَلَهُ الْكُلُّ (ترجمہ: جسے مولیٰ مل گیا اُسے سب کچھ مل گیا) اُسے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ جس کا مولیٰ اس کا سب۔ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝ (سورۃ النجم۔ 42) (ترجمہ: اور بے شک تمہارے رب ہی کی طرف انتہا ہے) اس میں پیوست ہو جاتی ہے۔ اَلنِّهَايَةُ الرُّجُوْعُ اِلَى الْبِدَايَةِ (ترجمہ: انتہا ابتدا کی طرف لوٹ جانا ہے) اور وہ عین کی

Marfat.com

طرف رجوع کرتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتباع کرتا ہے وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا (سورۃ النساء۔174) (ترجمہ: اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور[1] اُتارا) یہ نور اُسے منور کر دیتا ہے اور مُوۡتُوۡا قَبۡلَ اَنۡ تَمُوۡتُوۡا (اور مرنے سے پہلے مر جاؤ) کو تحقیق کر لیتا ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ (سورۃ فاطر۔34) (ترجمہ: اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمارا حزن یعنی غم دور کیا) بشریت کا غم اس سے دور ہو جاتا ہے اور اسے کامل استغنا حاصل ہو جاتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡكَ (ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں) اور وہ اپنی زبانِ حال سے کہتا ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّيۡ اَسۡئَلُكَ اِلٰى وَجۡهِكَ الۡكَرِيۡمِ ط (ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے تیرے کریم چہرہ کا سوال کرتا ہوں) یعنی تیرے چہرہ کے دیدار کا سوال کرتا ہوں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

دانی کدام دولت درووصف می نماید

چشمی کہ باز باشد ہر لحظہ بر جمال

ترجمہ: تجھے جاننا چاہیے کہ وہ کونسی دولت ہے جس کے مل جانے سے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ دولت وہ آنکھ ہے جو کسی لحظہ بھی اللہ تعالیٰ کے جمال کے دیدار سے غافل نہیں رہتی۔

اس جگہ پہ نور (نورِ ذات) نور (جس نورِ بصیرت سے طالبِ مولیٰ لقائے الٰہی کرتا ہے) کو جلا کے ختم نہیں کرتا بلکہ مزید بڑھا دیتا ہے اور مزید روشن کر دیتا ہے۔

طُوۡبٰى لِمَنۡ يُّقِيۡمُ مَقَامُ الۡاِطۡلَاقِ (ترجمہ: تمام قیود[2] سے آزاد ہو کر مقامِ اطلاق[3] پہ قائم رہتا

---

[1] یہاں نور سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے جس کے بارے میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوۡرِيۡ ترجمہ: ''اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا'' اور مزید فرمایا اَنَا مِنۡ نُوۡرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ كُلُّ خَلَائِقِ مِنۡ نُوۡرِيۡ ترجمہ: ''میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے''۔

[2] قیود سے مراد غیر ماسویٰ اللہ اور تمام تر بشری حجابات ہیں۔ [3] مقامِ اطلاق سے مراد غیر ماسویٰ اللہ کو دور کر کے صرف ھُو میں باقی رہنا ہے یعنی تمام اغیار کی نفی اور ھُو کا اثبات ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله کی حقیقت مقامِ اطلاق ہے۔

Marfat.com

ہے) کے مطابق یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ (سورۃ ابراھیم۔48) (ترجمہ: جس دِن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی)[1] اس حکم کے مطابق اس کا جسم صفت دِل اختیار کر لیتا ہے اور پھر اس کی روح نورانی[2] ہو جاتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا وَرَبَّنَا اللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا نُوْرًا (ترجمہ: اے اللہ! مجھے نور بنا دے اور اے میرے ربّ مجھے اپنے نور سے منور فرما) اس حکم کے مطابق وہ اللہ کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ o (سورۃ المائدہ۔15) (ترجمہ: اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آئی[3]) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلقتِ نور سے مشرف ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا o (سورۃ الاحزاب۔46) (ترجمہ: روشن آفتاب ہیں) اس نور سے پیوستہ ہونے کے بعد وہ اپنے آپ کو خلافتِ حقیقی کا وارث تحقیق کر لیتا ہے۔ خلافتِ حقیقی[4] ملنے کے بعد اس کے بدن کی تاریکی اور کثافت ختم ہو جاتی ہے۔ سورج کی طرح وھم اس پر سایہ کر کے رکھتا ہے اور اس کے جسم و جان کو روشن رکھتا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلُ (ترجمہ: میری اُمت کے علماء بنی

---

[1] اس آیت مبارکہ کو اگر فقر کی رو سے دیکھیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مردہ دِل کو زندہ دِل سے بدل دیتا ہے۔ مردہ دِل وہ ہے جس میں اللہ کا ذکر اور لقائے الٰہی کے جلوے نہ ہوں اور زندہ دل دائمی ذکر اور دائمی لقائے الٰہی میں محو رہتا ہے اور حیُّ القیوم ذات کا ذکر اور تصور مردہ دِل کو زندہ میں بدل دیتا ہے۔ [2] روح نورانی ہونے سے مراد طالب مولیٰ کا باطن مقامِ ربوبیت پہ ہو جانا ہے جس میں صرف اور صرف نورِ ذات ہی موجود ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) اس آیت مبارکہ کے مطابق طالبِ مولیٰ کا باطن نور میں ڈھل کر نور ہو جاتا ہے۔ [3] یہاں نور سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے جس کے بارے میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ ترجمہ: ''اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا'' اور مزید فرمایا اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَکُلُّ خَلَائِقِ مِنْ نُّوْرِیْ ترجمہ: ''میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے'' اور کتاب سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ [4] خلافتِ حقیقی سے مراد امانتِ الٰہیہ یا امانتِ فقر ہے۔ خلافتِ حقیقی یا امانتِ الٰہیہ اس مرید صادق کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے مرشد کی حقیقی اولاد ہو۔ مرشد کی تین قسم کی اولاد ہوتی ہے 1۔ نسبی (بشری اولاد) 2۔ معنوی اولاد (تمام مریدین) 3۔ حقیقی فرزند (جسے امانتِ الٰہیہ منتقل کی جاتی ہے)۔

Marfat.com

اسرائیل کے انبیا کی طرح ہیں) ایک روایت ہے کہ اَفْضَلُ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلُ (ترجمہ: بنی اسرائیل کے نبیوں سے افضل ہیں) اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ سے کلام کرتا ہے وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًاo (سورۃ النساء۔164)(ترجمہ: اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا) اور اللہ تعالیٰ اس پر تجلی فرماتا ہے فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ (سورۃ الاعراف۔143) (ترجمہ: پھر ربّ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی) اور وہ اللہ کے نور میں پیوستہ ہو کر روشن ہو جاتا ہے۔ اَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ (سورۃ المجادلہ۔22) (ترجمہ: ان کی مدد کی اپنی روح سے) اور وہ حضرت رسالت پناہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح اس کی مدد کرتا ہے اور اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اس کی حفاظت کرتا ہے اور وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًاo (سورۃ الکہف۔65) (ترجمہ: اور اُسے اپنا علمِ لدّنی عطا فرمایا)۔ اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح اللہ تعالیٰ نے اُسے بلند مقام کی خوشخبری دی ہے اور اس کی صحبت اور نگاہ پانے والا اللہ کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے سُؤْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ شِفَآءٌ لِّلْمَرِیْضِ الدِّیْنِ (ترجمہ: مومن کا بچا ہوا دین کے مریض کے لیے شفا ہے)۔ اور اَلصُّحْبَتُ تَوَاثَرٌ (ترجمہ: صحبت اثر ڈالتی ہے) اس کی صحبت رکھنے والے کا وجود لطیف ہو جاتا ہے اور تَجَدَّدَ اَمْثَالٌ (تجدد اور امثال[1]) کو اس جگہ دیکھ لیتا ہے کہ ہر لحظہ اور ہر گھڑی تمام موجودات اللہ تعالیٰ سے وجود حاصل کر رہی ہیں۔

اے جانِ عزیز! جب طالب منتہی اس مقام پہ پہنچتا ہے تو وہ ولایت کے تمام امور سے خوب واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ اُسے کفر[2] کی تحقیق ہو جاتی ہے اور ہر چیز اس کے وجود میں ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ جو صورت اور جو شکل چاہتا ہے وہ اختیار کر لیتا ہے۔ وہ جس جگہ چاہتا ہے جا سکتا ہے

---

[1] اللہ تعالیٰ ہر دم تجلی فرماتا ہے اور ایک تجلی دوبارہ نہیں ہوتی اور ہر تجلی ہر موجود کو خلقِ جدید عطا کرتی ہے اور دوسری تجلی خلقِ قدیم کو لے جاتی ہے۔ جب حق تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے تو ہر موجود خلق کو فنا کر دیتی ہے اور حق تعالیٰ کی دوسری تجلی اس موجود کو بقا عطا کرتی ہے۔ اسی کو تجدد امثال کہتے ہیں۔ [2] اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کو دیکھنا کفر ہے۔

Marfat.com

اور جس جگہ چاہے تصرف کر سکتا ہے۔اس کے دِل میں اگر کوئی خیال بھی پیدا ہو تو اس کا اثر ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔اور سلطان الوھم کے تصرف سے اُس کا تصرف تمام عالم پہ جاری و ساری ہو جاتا ہے، ایک ہی لمحہ میں اس کے ظاہر و باطن میں ہزار مختلف صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور ان تمام چیزوں کی حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے اور جس صورت کو چاہتا ہے اس کو اس کے اصل میں تبدیل کر سکتا ہے۔ہوا کو ہوا میں، خاک کو خاک میں اور دوسرے عناصر کو ان کی اصل میں تبدیل کر سکتا ہے۔چنانچہ شیخ قصب الباب جو کہ ایک دیوانے تھے، ایک شہر میں گئے اور اس شہر کے حاکم کے پاس اپنی چار مختلف صورتوں میں پیش ہوئے۔ان چار مختلف صورتوں کو دیکھ کر حاکم کو خطرہ محسوس ہوا۔ پھر انہوں نے حاکم کو فرمایا کہ اگر تجھے میری کوئی صورت پسند ہو تو بطورِ خلیفہ خاص تیری خدمت میں پیش کر دوں۔یہ سن کر حاکم قصب الباب کے پاؤں میں گر پڑا اور معافی مانگنے لگا پھر حاکم نے دیوانہ کی بہت عزت و تکریم کی اور پھل وغیرہ سے نوازا اور اللہ کے حضور اس حاکم نے دِل سے توبہ کر لی۔

اے جانِ عزیز! جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ نے جہان پیدا کیا اور چار درجات میں تنزل فرمایا اور ہر درجہ کو نام سے مسمیٰ فرمایا۔ ہر ایک درجہ کو کوئی نہ کوئی خاصیت عطا فرمائی اور جیسے جیسے نزول فرمایا ناسوت کی کثافت کو دور فرماتا گیا۔

پہلا درجہ لاھوت اور دوسرا درجہ جبروت اور تیسرا درجہ ملکوت اور چوتھا درجہ ناسوت کہلاتا ہے، اس طرح اس ترتیب سے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے مقام کُنتُ کنزًا مخفیًا (ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا[1]) سے بحراتِ حییُ (مخلوق کی تخلیق کا سمندر) میں نزول فرمایا۔اور اللہ تعالیٰ نے احدیتِ مطلق کے فیض لَغَنِیٌّ عَنِ العٰلمین (العنکبوت۔6) (ترجمہ: وہ تمام جہانوں سے زیادہ غنی ہے) سے لاھوت سے ہوتے ہوئے جبروت کے صحرا میں نزول فرمایا۔حدیث مبارکہ ہے کہ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (ترجمہ: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو تخلیق کیا[2]) اور آپ

---

[1] عالمِ احدیت کی طرف اشارہ ہے [2] عالمِ وحدت، حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات احمد مُرسل ہی سب سے اوّل ہیں اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی بہترین اوّل ہیں چنانچہ بزرگ فرماتے ہیں کہ:

گر دولت و بخت یار بُودے مارا
درمسکین خود اقرار بُودے مارا
گر بخت بد دمان بر ما نزدے
در شہر کساں چہ کار بُودے مارا

ترجمہ: اگر مجھے اپنے یار (اللہ تعالیٰ کی ذات) کی دولت مل جائے تو میں اپنی مسکینی کے اقرار میں ہی خوش ہوں۔ اگر بخت (اللہ تعالیٰ کی ذات) مجھے مل جائے تو مجھے شہر (مخلوق) سے کوئی کام نہیں۔

واحدیت سے عالم معرضِ وجود میں آئے مگر مقام محمود پر یہ تمام عالم اکٹھے ہیں۔ بظاہر یہ عالم مختلف نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ ایک ہی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مقامِ جبروت سے عالمِ ملکوت میں نزول فرمایا اور پھر عالمِ ملکوت سے عالمِ ناسوت میں نزول فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے سبب ہر عالم کا انتظام فرمایا اور ہر ایک کا نشان مقرر فرمایا اور آخر کار یہ چاروں عالم ایک ہی وجود ہیں کہ لاہوت درخت ہے جبروت اس کی شاخیں ہیں، ملکوت اس کے پتے ہیں اور ناسوت اس کا پھل ہے۔ اس پھل میں ایک بیج ہے یہ بیج انسانِ کامل ہے جس انسانِ کامل میں یہ سارا درخت موجود ہے۔ پس یہ چاروں عالم انسان کے اندر موجود ہیں اور کوئی چیز بھی انسان کے باہر موجود نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ ''اے بیٹا! لاہوت بیج ہے، جبروت شاخ ہے، ملکوت درخت ہے اور ناسوت اس درخت کا پھل ہے''۔ اسی طریقہ پہ اللہ تعالیٰ نے ان چار عالموں کو اپنی اپنی جگہ جمعیت بخشی اور معتدل فرمایا کہ ان چاروں عالموں میں سے کوئی عالم بھی اپنی جگہ اور مقام سے تجاوز نہ کرے اور ہر ایک عالم اپنے سے آگاہ رہے۔ پس نگاہ ہی عالمگیر ہے۔ عالمِ صغریٰ کو انسانِ کامل سے عبارت فرمایا گیا ہے، عالمِ صغریٰ کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرما کر چاروں عالموں کو اس (انسانِ کامل) میں سمو دیا ہے۔ اور دونوں عالمِ صغریٰ اور عالمِ کبریٰ میں کچھ فرق باقی نہیں رہتا۔ یہ

Marfat.com

کہا جاسکتا ہے کہ ایک بیج میں ایک لشکر موجود ہے کہ جس کی منزل پھر بیج ہے۔

چنانچہ پہلی وحی تجلی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمُ الکتاب[1] کی صورت میں پیدا ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے اور یہ عالمِ جبروت ہے۔ پھر یہ وحی عالمِ جبروت سے لوحِ محفوظ پہ نازل ہوئی کہ یہ عالمِ ملکوت ہے۔ اور جب یہ وحی عالمِ ملکوت پہ نازل ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسے پڑھا اور پھر اس وحی کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچایا۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس وحی کو مخلوق پر ظاہر فرمایا اور یہ عالمِ ناسوت ہے۔ (مذکورہ بالا) بیان تو وحی جلی کے بارے میں تھا۔ انسانِ کامل جو عالمِ صغریٰ ہے اور مظہر ذاتِ حق باری تعالیٰ ہے پانچویں درجہ پہ اپنی زبان پہ وحی کو لاتا ہے۔

انسانِ کامل اور منتہی واصل عالمِ غیب (اللہ تعالیٰ) سے کسی چیز کی خواہش کرتا ہے تو سب سے پہلے اس چیز کا علم حاصل کرتا ہے جس کو مِنْ لَّدُنِّیْ (علم لدنی) الہام اور وحی خفی کے علم کا موجب کہتے ہیں۔ نیز اسے محلِ خفی کہا جاتا ہے جو لاھُوت سے عبارت ہے اور سِرّ پہ نازل ہوتی ہے۔ جب سِرّ پہ پہنچتی ہے تو آگاہ کر دیتی ہے روح کو، روح خبر دیتی ہے قلب کو یعنی دِلِ حقیقی کو، جو بتاتا ہے نفس کو اور نفس اسے زبان سے بیان کر دیتا ہے۔ یہ اَخْذِ اِلْھَام اس جگہ مقصود نہیں ہے لیکن اس وجہ سے بیان کیا گیا ہے کہ جب منتہی واصل اس حکم اَلنِّھَایَتُ الرُّجُوْعُ اِلَی الْبِدَایَتِ (ترجمہ: انتہا ابتداء کی طرف رجوع کرتی ہے) کے مطابق پھر مقامِ لاھُوت پہ پہنچتا ہے اور ان چار منازل کو یکجا گردان کر انہیں اطلاق کی منزل تک پہنچاتا ہے، اس وقت وہ ذات اور عالمِ لاھُوت ہے جو سِرّ کے ساتھ انتہا اور وصل ہے۔ اور انسان کامل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کمال و انتہا کو پہنچ سکتا ہے جب تک وہ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت نہ کرے۔

---

[1] سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہٗ مرآۃ العارفین میں اُم الکتاب کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''ذاتِ حق تعالیٰ تمام حقائقِ الٰہیہ وکونیہ کی جامع ہے اس لیے اُم الکتاب ہے۔ حقائقِ کونیہ تفصیلاً اظہار سے قبل حقائقِ الٰہیہ میں پوشیدہ تھے، انہی سے ظاہر ہوئے اور انہی کا اظہار ہیں۔ پس ذات پروردگار کی جو پاک ہے اور بلند ہے، باعتبار درج ہر ایک کے اس میں وہ ''اُم الکتاب'' ہے اور علم اس کا وہ ''کتابِ مبین'' ہے۔

Marfat.com

وَاِنَّمَا قَالَ الْاِنْسَانُ كَامِلٌ ظَاهِرُهُ خَلْقٌ وَبَاطِنَهُ حَقٌّ لِاَنَّ لَا هَوِيَّتُهُ الْمُتَعَيَّنَةُ فِيْ عَالَمِ
الْغَيْبِ بِصُوْرَتِ الرُّوْحِ بَاطِنًا تَدْبِيْرًا الصُّوْرَتِ الظَّاهِرِ وَتَنَزُّلَاتِ بِخَمْسِ دَرَجَةً اِلٰى عَالَمِ
الشَّهَادَتِ وَ سُمِّيَ ذٰلِكَ حَضْرَتِ الْخَمْسِ اَوَّلُهَا تَجَلِّيَ الذَّاتِ فِيْ ضَوْءِ الْاَعْيَانِ الثَّابِتِ الْغَيْرِ
الْمَعْجُوْلَةِ وَهُوَ عَالَمُ الْمَعَانِيْ اَلثَّانِيْهَا النُّزُوْلَ مِنْ عَالَمِ الْمَعَانِيْ اِلٰى الْمُتَعَيَّنَا رُوْحَانِيَّةً وَ
ثَالِثُهَا النُّزُوْلَ مِنْ عَالَمِ الْمَعَانِيْ اِلَى الرُّوْحَانِيَّةِ الْحَيْوَانِيَّةِ وَهِيَ عَالَمُ النُّفُوْسَ النَّاطِقَةِ
اَلرَّابِعُهَا الثَّانِيَةَ اَلْمُتَجَسِّدَةِ الْمُتَشَكِّلَةِ لَمَثَلَتْ مِنْ غَيْرِ مَادَّةٍ وَ هِيَ عَالَمُ الْمِثَالِ وَالْخَامِسُهَا
عَالَمُ الْاَجْسَامِ وَالْمَادِيَّتَهُ وَ هُوَ عَالَمُ الْحُسْنِ وَ عَالَمُ الشَّهَادَةِ اِعْلَمْ اَنَّ الرُّوْئِيَةَ وَالسَّمَآءَ
وَالشُّهُوْدَ مِنَ الْعَبْدِ الْمُصَلِّيْ لِلْحَقِّ فَلَا يَكُوْنَ بِقُوَّةِ الْاِيْمَانِ وَالْيَقِيْنِ مِنْ بِمُشَابِهَتِ الْاِدْرَاكِ
الْبَصَرِ وَالسَّمْعَ اَعْيُنِيْ فِيْ الْقُوَّتِ الضُّوْاتِ وَالْمُشَاهِدَاتِ وَ قَدْ يَكُوْنَ بِبَصَرِ الْقَلْبِ اَيْ نُوْرٌ
بَصِيْرَةٌ وَ تَوَهُّمٌ اَعْيُنِيْ بِنُوْرِ تَجَلِّيَ الصِّفَاتِ الْاُلُوْهِيَّهِ الْقَلْبِ حَتّٰى صَارَ الْعِلْمُ عِيَانًا وَ قَدْ
يَكُوْنَ بِالرُّوْئِيَةِ الْبَصَرِيَّهِ فَمَثَّلَ لَهُ الْحَقَّ مُتَجَلِّيًا مَشْهُوْدًا لَهُ فَاَيْنَمَا الصَّلٰوةَ بَيْنَهٖ وَ بَيْنَ
الْعَبْدِهٖ وَ قَدْ جَمَعَ اللّٰهُ هٰذِهٖ كُلِّهَا الْعِبَادَةِ الْكَامِلَ الْاُوْحَدٰى وَ قَدْ يُخَصِّصُ كُلْوَاحِدَ مَعَهَا
بِوَاحِدٍ مِنْهُمْ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْجَامِعِيْنَ

(ترجمہ: اور بے شک وہ ''انسانِ کامل'' ہے جس کا ظاہر مخلوق کیساتھ اور باطن حق کے ساتھ ہو کیونکہ لاھوتی عالمِ غیب میں مقرر ہے اور عالمِ غیب میں اس کی شناخت روح کی شکل میں ہے جو ظاہری صورت کا مُدبّر بھی ہے۔ عالمِ شہادت کی طرف اس کا نزول پانچ صورتوں میں ہے اور اس کا نام حضرت خمس یعنی پانچ درجے ہے۔ اوّل ذات کی تجلّی اعیانِ اثابتہ پر جو موجود نہیں ہیں، اس کو عالمِ معانی کہتے ہیں، دوم عالمِ معانی سے عالم روح کی طرف نزول، تیسرا عالمِ معانی سے عالمِ روحانی حیوانی کو اترنا جس کو عالمِ نفوس ناطقہ بھی کہتے ہیں، چہارم وہ متشکل اور مجسم عالم جو مسادی نہ ہو جس کو عالمِ مثال کہتے ہیں۔ پانچواں عالم اجسام اور مادی دنیا' وہ عالمِ حُسن اور عالمِ شہادت ہے۔ آپ کو جاننا چاہیے کہ رویئت آسمان اور شہود کا نمازی بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو ایمانی

Marfat.com

قوت اور یقین سے نہیں ہوتا یعنی ظاہری نظر اور کان سے یہ مشاہدہ نہیں ہوسکتا ہے بلکہ ناممکن ہے۔ رویئت سے مراد رویئتِ قلبی ہے جس کو نورِ بصیرت یا توھّم بھی کہتے ہیں یعنی نورِ صفاتِ الٰہی دل پر طاری ہوتا ہے تو اس سے علم ظاہر ہوجاتا ہے۔ کبھی کبھی رویئتِ بصری بھی ہوسکتی ہے جس کو اپنا ربّ حاضر نظر آئے۔ جب بھی بندہ نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے ربّ کو دیکھتا ہے، کبھی کبھی رویئت بصری اور قلبی دونوں حاصل ہوتی ہیں۔ تحقیق وہ ان میں ہر ایک کیساتھ مخصوص ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں کو جمع کرنے والا بنائے)۔ اے جانِ عزیز! جو عربی کا ذکر کیا ہے یہ اس لیے ہے کہ تجھے معلوم ہوسکے کہ جو منتہی واصل کمال کو پہنچتا ہے تو اس کی بصر بصیرت ہوجاتی ہے۔ پس اس کے ہر بال کے نیچے آنکھیں اور کان پیدا ہوجاتے ہیں جن میں سے وہ ہر عضو سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ وَهٰذَا يَحْمِلُ الْكَمَالِ وَ نِهَايَةِ الْوَصَّلِ تَبَدَّلَ بِنُوْرٍ مَحْضٍ بِعَنَايَتِ الْخَاصِ (ترجمہ: یہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان کمال کے آخری درجے کو پہنچ جائے جہاں ہر چیز نورِ محض ہو اور یہ محض عنایتِ خاص ہے)۔

اے جانِ عزیز! منتہی کامل کا دل اللہ تعالیٰ کے لیے بہت ہی فراخ ہوتا ہے، اتنا فراخ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی تجلی سما سکتی ہے لیکن یہ تجلی حق اللہ تعالیٰ کی رحمت (صفتِ رحمت) میں نہیں سما سکتی۔ اگر رحمتِ حق تعالیٰ کو رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (سورۃ اعراف۔156)(ترجمہ: میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے) کے مطابق اتنی وسعت بھی دی جائے تو انسانِ کامل کے دل کے مشابہ نہیں ہوسکتی کہ مَا وَسِعَنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ وَسِعَنِيْ فِيْ قَلْبِ عَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ (ترجمہ: میں زمین اور آسمان میں نہیں سما سکتا لیکن مومن بندے کے قلب میں سما سکتا ہوں) اور رحمتِ حق تعالیٰ عرشِ رحمت اور عرشِ رحمان دل کے مقابلہ میں محسوس نہیں ہوتے کہ وَلَوْ اِنَّ الْعَرْشَ وَمَا حَوْلَهٗ مِائَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةً فِيْ زُوَايَةٍ مِنْ زَوَايَا قَلْبِ الْعَارِفُ مَاحَصَلَ لَهٗ عَقَدِ (ترجمہ: اور اگر عرش اپنے گردونواح کے ساتھ لاکھوں گنا بھی بڑھ جائے تو وہ قلبِ عارف کے زاویے سے باہر نہیں ہوسکتا اور قلبِ عارف اور عرشِ باری تعالیٰ کے درمیان مقابلہ نہیں کیا جا

Marfat.com

سکتا)۔

حضرت خواجہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَنَّ الْمُحْدَثُ اِذْ اَقْرَنَ بِالْقَدِیْمِ لَمْ یَبْقٰی لَہٗ اَثَرٌ (ترجمہ: اگر محدث کا مقابلہ قدیم سے کیا جائے تو قدیم کا اثر باقی رہتا ہے اور محدث کا اثر باقی نہیں رہتا) اگر قدیم اور محدث کا مقابلہ کیا جائے تو محدث کا اثر کچھ بھی نہیں کہ اسے محسوس بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حق تعالیٰ کی تجلی انگوٹھی میں لگے نگینہ کی طرح ہے اور دل انگوٹھی کے فص کے مشابہ ہے پس نگینہ انگوٹھی کی فص کی وسعت کے مطابق لگایا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح دل میں اللہ تعالیٰ کی تجلی چمکتی ہے اور سارے دل کو اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے اور کیا مجال کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کا دل سے گزر ہو جائے اور حکم ہے کہ اِنَّ الْمُلُوْکُ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَ جَعَلُوْآ اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً (النمل۔34) (ترجمہ: بیشک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں) اور قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَھَقَ الْبَاطِلُ (الاسرأ۔81) (ترجمہ: کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا) اس حکم کے مطابق دل حق (اللہ تعالیٰ) کی جاگیر ہو جاتا ہے اور دل کو حق کی تجلی گھیر لیتی ہے اور پھر دل میں کسی قسم کی قید نہیں رہتی اور صرف حق مطلق ہی باقی رہتا ہے کہ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا (النساء۔126) (ترجمہ: اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر محیط ہے)۔ بالکل اسی طرح حق مطلق (اللہ تعالیٰ) دل کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور بجمیع حسبیه و خیالیه و همیشیه و عقلیه و ظنیه و علمیه (ترجمہ: دل میں موجود ہر گمان اور خیال اور وھم اور عقل اور ظن اور علم پر اللہ تعالیٰ محیط ہے۔ ایسے دل پر وہ اللہ ہی محیط ہے کہ جس دل (باطن) میں یہ تمام چیزیں جمع ہیں اور اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ فَلْیَظُنَّ مَا شَآءَ بِیْ بِمَنْ شَآءَ ظَاھِرًا وَّ بَاطِنًا (ترجمہ: میں اپنے بندے کے ظن اور گمان کے مطابق ہوتا ہوں پس وہ جیسا بھی ظن اور گمان کرتا ہے، اللہ ہی ظاہر اور باطن پر حاوی ہے)۔

صورت اور معنی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور عین الکل (مکمل عین ہو جانا) ہو جاتا ہے اور اس مقام پر حدوث کی تعریف اور تعین اس کے دل سے نکل جاتے ہیں اور اسے بقا حاصل

Marfat.com

ہو جاتی ہے اور حق اس کے سامنے عین عیاں ہو جاتا ہے۔اس کی تمام تر مشکلات ختم ہو جاتی ہیں۔

فَقَدْ یَسْمَعُ الْقَلْبَ بِذَاتِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ وَ سِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیءٍ عِلْمًا فَاِنَّہٗ قَدْ ثَبَتَ اَنَّ الْقَلْبَ وَ سِعَ الِلْحَقِّ وَلاَ نَنْسِی عَلٰی ھٰذَا الْمَقَامَ شِعْرًا (ترجمہ: پس وہ اپنے ذاتی قلب سے سنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز سے وسیع ہے پس وہ اپنے دل سے ثابت کر لیتا ہے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کے لیے وسیع ہے)۔پھر وہ اس مقام پر مندرجہ ذیل شعر پڑھتا ہے۔

یَـا خَـالِـقُ الْاَشْیَـاءِ فِـیْ نَـفْسِـہٖ
اَنْـتَ لِـمَّـا تَـخَـلَّـقَ جَـامِـعُ

ترجمہ: اے خالق! تو نے تمام اشیاء کو اپنے آپ سے تخلیق فرمایا ہے کیونکہ تیری ہر ایک تخلیق جامع ہے۔

تَـخَـلَّـقَ مَـا لاَ یَـنْتَھٰـی
کَـوْنِـہٖ فِیْكَ فَـاَنْـتَ ضَیْـقُ الْـوَاسِـعُ

ترجمہ:۔اے اللہ تیری تخلیق بہت ہی وسیع ہے اور تمام تر مخلوقات کا وجود تیری ہی ذاتِ اقدس سے ہے مگر تو خود اس قدر وسیع کائنات میں سما نہیں سکتا۔

لَـوْ اَنَّ مَـا قَـدْ خَـلَـقَ الـلّٰـہُ
بِـقَـلْبِـیْ فَـجَـرَہُ السَّـاطِـعُ

(ترجمہ: اے اللہ تیری تخلیق بہت ہی وسیع ہے اگر یہ تیری تخلیق میرے دل میں آجائے تو میں تیری تخلیق کی وسعت اور اپنے قلب (باطن) کی تنگی پر حیران ہوں کہ یہ تو پھٹ جائے گا)

وَ مَنْ وَسِعَ الْحَقَّ فَمَا ضَاقَ عِنْدَ خَلْقَ
فَـکَیْفَ الْاَمْـرُ یَـا سَـامِـعُ

ترجمہ: اے سننے والے خدا! یہ کیسا معاملہ ہے کہ جو دل (باطن) خالق کے لیے وسیع تر ہے وہ مخلوق کے لیے کس طرح تنگ ہو سکتا ہے۔

اے جانِ عزیز! منتہی کا دل تمام تعینات، تمام تر قیود اور تمام غیر ماسویٰ اللہ سے پاک اور

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی قباء میں ہے کہ اِنَّ اَوْلِيَآءِ تَحْتَ قُبَائِ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِي (ترجمہ: بے شک اولیاء اکرام اللہ تعالیٰ کی قبا میں ہیں اور انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں پہچانتا)۔ دریائے غیب اور شہادت دونوں ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ (الرحمان۔19) (ترجمہ: دو دریا بہائے جو ایک دوسرے پر نہیں چڑھ دوڑتے)۔ ایسی تجلی تمام قیود اور اطلاق سے بالاتر ہے اور ملکِ دل سے پیوستہ ہے۔ ایسے دل کی ہمت اس قدر ہوتی ہے کہ اگر اُسے ایک پیالہ میں کئی ہزار دریا دیے جائیں تو وہ انہیں پی جاتا ہے مگر اس کی ہمت کم نہیں ہوتی اور ایسے دل کی وسعت کی مشابہت یہ ہے کہ سارا عالم (کائنات) اس میں سما سکتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عرش اور اس کے گرد و نواح کا احاطہ کرسکتا ہے اور عرش اور اس کے گرد و نواح کا زاویہ دل کے زاویہ کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اے جانِ عزیز! جب اللہ تعالیٰ کی ذات تمام پردے ہٹا کر دل میں خیمہ زن ہوتی ہے تو اس دل میں اپنی سلطنت قائم کرلیتی ہے اور اسی دل (باطن) سے تمام حکمِ خداوندی اور عتابِ سرمدی کا ظہور ہوتا ہے اور اسی دل میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جاری ہو جاتی ہیں۔

فَاِذَا قَبَضَ اَخْفٰی مَا يَرَاهُ وَ اِذَا بَسَطَ عَادَا مَا اَخْفٰی (ترجمہ: جب وہ دل سے نظر ہٹاتا ہے تو اس کے سامنے ہر چیز پوشیدہ ہو جاتی ہے اور جب وہ دل پہ نظر کرتا ہے تو ہر ایک پوشیدہ چیز کو دیکھ لیتا ہے) جہاں تک چاہتا ہے سلطنتِ مطلق کو بڑھا لیتا ہے۔

بنی کہ حُسن در عالم نمیگنجد عجب دارم
کہ دائم در دل تنگم چگونہ خانمان سازد

ترجمہ: دیکھتا ہوں کہ تیرا حسن اگرچہ تمام عالم میں نہیں سما سکتا حیران ہوں کہ تُو نے کس طرح میرے تنگ سے دل کو اپنے رہنے کی جگہ بنا رکھا ہے۔

اے جانِ عزیز! جب حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دل کی وسعت کا معائنہ کیا تو فرمایا سُبْحَانِيْ مَا اَعْظَمُ شَانِيْ وَ لَيْسَ فِيْ جَنْبِيْ سِوَى اللّٰهِ (ترجمہ: میری شان پاک اور بلند

Marfat.com

ہے اور میرے پہلو میں اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے) مزید فرماتے ہیں کہ هَلْ فِی الدَّارَیْنِ غَیْرِیْ (ترجمہ: دونوں جہانوں میں میرے علاوہ کوئی نہیں ہے)۔ شکاری کی زبان پر ہر وقت اپنے شکار کا نام رہتا ہے۔ ساقی ھُو کو شراب اور دوست میں ھُو ہی نظر آتا ہے۔ حکیم نے ایک کوزہ (پیالہ نما برتن) بنایا پھر اس کوزہ کو پانی سے بھر دیا۔ جب حکیم نے اس کوزہ کو سورج کے سامنے رکھا تو سورج اس کوزہ میں نظر آنے لگا۔ حکیم کہنے لگا کہ لَیْسَ فِی الدَّارَیْنِ غَیْرُکُمْ (ترجمہ: تیرے سوا اس جہان میں کوئی نہیں ہے) اور اسے ہی اپنا یار بنا کر تھام لیا۔

ہر بوئے کہ از مُشک و قرنفل بیوئی
از سایہ آن زلف چوں تیل شوی

ترجمہ: ہر ایک خوشبو چاہے وہ مشک (کستوری) ہو یا قرنفل (لونگ) یا تیل کی خوشبو ہو، یہ تمام کی تمام خوشبو اس کی زلف کے سایہ کی وجہ سے ہیں اور تمام میں اُسی کی زلف کا سایہ ہے۔

چوں نغمۂ بلبل زبے گل شنوئی
ہمہ گل گویہ کہ چہ بلبل شنوئی

ترجمہ: بلبل کا نغمہ پھولوں کی دلنشینی کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ تمام پھول یہ کہتے ہیں کہ بلبل کتنا خوب گاتی ہے۔

اے جانِ عزیز! محبوب جب راہِ اتحاد میں گم ہو کر محبّ کے گھر میں قدم رکھتا ہے تو محبّ کے گھر کو اپنی خوبصورتی اور جمال سے منور کر دیتا ہے اور اپنے اسمائے لطافت[1] کو خود منور کرتا ہے۔ محبّ اپنے محبوب کو اپنا لباس عطا کرتا ہے محبوب جب یہ لباس زیبِ تن کر لیتا ہے تو وہ اسے مزید سنوارتا ہے تا کہ محبّ محبوب کے جلوؤں، صحبت اور ہمنشینی کے لائق ہو سکے۔ پھر ان کے درمیان دوئی بھی ختم ہو جاتی ہے اور محبوب عین محبّ ہو جاتا ہے۔ اَنَا اَنْتَ (میں تو ہے) اس جگہ ''میں اور تو''

---

[1] اسمائے لطافت سے مراد اللہ کے لطف و کرم یا جمال کے صفاتی اسماء ہیں یعنی اللہ تعالیٰ طالب کو اپنی تمام تر صفات سے متصف کر دیتا ہے۔

Marfat.com

کا معاملہ تشویش کا باعث بنتا ہے اور میں اور تُو کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔

اے دوست تُرا بہر مقام محبتم
ہر دم حیرت ز ایں و آن محبتم

ترجمہ: اے دوست، میں تیری محبت میں اس قدر بہہ چکا ہوں کہ مجھے تیری محبت کے علاوہ کسی چیز کی خبر نہیں ہے۔

دیدم بتو خویش را تو خود من بودے
خجل زدہ ایم کہ تُرا نشان محبتم

ترجمہ: جب میں تجھے اپنے آپ میں دیکھتا ہوں اور خود کو تجھ میں دیکھتا ہوں تو مجھے شرم آتی ہے کہ میں ہی تیری محبت کا نشان ہوں۔

اے جانِ عزیز! اس جگہ عین الیقین تشویس کا باعث بن جاتا ہے اور وہ حق الیقین سے متصل ہو جاتا ہے۔ عین الیقین اس کے درمیان وجودِ غیر کی طرح حائل ہو جاتا ہے کہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ O (ترجمہ: اور اپنے رب کی اتنی عبادت کر کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے)۔ اَیْ اَلْمُشَاهِدَةُ مُشَاهِدٌ بَابِ مُفَاعِلَه (ترجمہ: یہ مشاہدہ بابِ مفاعل[1] سے ہے)۔ یہاں یہ مثالث کا بھی تقاضا کرتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اَلْيَقِيْنُ هُوَ اللّٰهُ (ترجمہ: یقین ھُو ہے اور ھُو اللہ ہے)۔ اس مقام پہ وہ، میں، میری (جیسے القابات) ختم ہو جاتے ہیں اَنَا وَهُوَ (ترجمہ: میں اور ھُو) ایک ہی ہو جاتے ہیں۔

دریں راہ گر بترکِ خود بگوئ
یقین کردہ نزد از توئ

ترجمہ: اگر تُو اس راہ میں اپنے آپ کو چھوڑ دے گا پھر تو یقین کر لے گا کہ وہ تیرے نزدیک ہے۔

اے جانِ عزیز! اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ O (ترجمہ: بے شک اللہ تمام عالموں سے

---

[1] یہ فعل میں فاعل اور مفعول دونوں کی مشارکت کا تقاضا کرتا ہے۔

Marfat.com

غنی ہے)۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ تمام عالموں سے غنی ہے مگر فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرہ، تل اور زلفوں کے بغیر چہرۂ ربوبیت اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ[1] (ترجمہ: فقر دونوں جہانوں میں روسیاہی ہے) کے مطابق کوئی زیب و زینت نہیں رکھتا اور چہرۂ ربوبیت اور جمالِ الوہیت ایک چھوٹے نقطہ کی طرح کے تل اور بشریت کی کالی زلف ۔کے بغیر کبھی بھی اچھا اور خوبصورت نہیں دکھائی دے سکتا۔ ربویت کو دیکھنے کے لیے چشمِ عبودیت کی ضرورت ہے۔ عبودیت کے بغیر ربوبیت کا اظہار ناممکن ہے۔ لِاَنَّ الْعَبُوْدِیَّتِ سِرُّ الرَّبُوْبِیَّتِ لَوْ ظَھَرَ سِرُّ اَلْبَطَلَاتِ الرَّبُوْبِیَّتِ (ترجمہ: کیونکہ عبودیت ربوبیت کا سِرّ ہے اور اگر عبودیت کے سِرّ کو ظاہر کیا جائے تو ربوبیت ختم ہو جاتی ہے) پس ربوبیت بغیر عبودیت کے ظاہر نہیں ہوسکتی۔ ربوبیت لازم ہے اور اصل ذات کو دیکھنے کے لیے کوئی قید نہیں اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وجودِ مطلق ہرگز اپنے مظہر کے بغیر نظر نہیں آتا۔ اور عبودیت کے بغیر اَلْوَرَئِیَّتَ الشَّیْطَانِ (شیطان کا نظر آنا) بھی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے مظاہر اور تمثّل کے بغیر نہ کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ کوئی اس کا ادراک کرسکتا ہے۔ جب عبودیت اور ربوبیت ایک ہو جاتے ہیں تو پھر عاشق اور معشوق کا معاملہ پیدا ہوتا ہے وَبِیَاعَثَۃٌ طَالِبِی مَطْلُوْبِیْ (ترجمہ: اور وہ طالب اور مطلوب بننے کا باعث بنتے ہیں)۔ ناظری اور منظوری کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ ان میں محبّ اور محبوب کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب ان میں بے شمار لذت، شوق اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ روز بروز ان کا عشق اور محبت بڑھتے جاتے ہیں۔ کمالِ صحبتِ حق کی وجہ سے لطافت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ہر سانس کے ساتھ اور ہر لمحہ ترقی کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ مغفور ہو جاتا ہے اور ہر قسم کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس جگہ وہ خود نگاہ، خود دیکھنے والا اور خود دیکھے جانے والا ہو جاتا ہے اور غیر کا وجود ختم ہو جاتا ہے کہ مَا رَاَیَ اللّٰہُ

[1] فقر کو سیاہ رنگ سے تشبیہہ دی جاتی ہے کیونکہ فقر ہے تو نورِ الٰہی لیکن یہ انسانِ کامل کی بشریت کے بغیر ظاہر نہیں ہوسکتا۔ پس بشریت نورِ الٰہی کے مکھڑے پر سیاہ تل اور سیاہ زلف کی طرح ہے جو اس کی خوبصورتی کو مزید نکھار دیتا ہے۔

Marfat.com

اِلاَّ اللّٰه وَمَاعَرَفَ اللّٰهُ اِلاَّ اللّٰهَ (جس نے اللہ کو دیکھا اُس نے اللہ کے سوا کچھ نہ دیکھا، جس نے اللہ کی معرفت حاصل کی پس اُس نے اللہ کے سوا کسی بھی اور چیز کی معرفت حاصل نہیں کی)۔ اس جگہ وہ پہنچتا ہے تو حیران ہو جاتا ہے کہ اُسے تمام مظاہر عین حق نظر آتے ہیں، وہ عین حق پاتا ہے، عین حق سمجھتا ہے اور عین حق دیکھتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے کہ

روزی ستودم دانستم
باتو غنودم و نہ میدانستم

ترجمہ: جس روز سے میں نے تجھے پایا ہے میں تجھ میں ہی گم ہو گیا ہوں اور تیرے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔

ظن بردہ بود بخود کہ من بودم
من جملہ تو بودم نہ میدا نستم

ترجمہ: میں نے گمان کیا کہ میں خود بھی ہوں تو مجھے پتہ چلا کہ میں نہیں بلکہ تو ہی ہے تیرے علاوہ تو میں کچھ بھی نہیں ہوں۔

اے جانِ عزیز! انسانِ کامل وہ ہے کہ جس کے ظاہری اعضاء اور بشری قوتیں، جو کہ مخلوق سے عبارت ہیں جس طرح اسمائے حسنیٰ ھاھویتِ حسن کے محافظ ہیں، روحانیت میں قربِ فرائض اور قربِ نوافل اللہ کے احکام ہیں۔ درحقیقت ہویتِ حق ہی تمام عالم میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط (الانبیاء۔30) (ترجمہ: اور ہم نے تمام اشیاء کو پانی سے زندہ کیا) یہ عبارت بھی ہر جاندار میں ہویّتِ حق کے سرایت کر جانے سے عبارت ہے۔ ہر چیز کی پیدائش اور حرکت ذاتِ ہویّت سے ہے، تاہم تمام اشیاء جدا جدا وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ مَشْهُوْدٌ فِي الْخَلْقِ مُتَوَهَّمٌ فَا الْخَلْقُ مَفْضُوْلٌ وَالْحَقَّ مَحْسُوْسٌ مَشْهُوْدٌ فِي عِنْدَ اَهْلَ الشُّهُوْدِ وَالْوُجُوْدِ وَمَا عَدَا هٰذَيْنِ الصِّفَتَيْنِ فِي الْحَقِّ مَعْقُوْلٌ وَالْخَلْقُ مَشْهُوْدٌ (ترجمہ: مخلوق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو قوتِ وہم سے مشہود یعنی ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور انہیں تمام مخلوق پہ

Marfat.com

فضیلت حاصل ہے۔ بعض اہلِ مشاہدہ ایسے ہیں جو مشہود یعنی ذاتِ حق کے وجود کا مشاہدہ احساس کی حد تک کرتے ہیں۔ بعض لوگ معقولات کے حق میں ہیں یعنی وہ صرف عقل سے مشاہدہ کرتے ہیں اور عقل سے تو مخلوق کا ہی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے)۔ پس پہلا گروہ پانی کی طرح ہے۔ عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ۔ (فاطر۔12) (ترجمہ: میٹھا پانی جو پیاس بجھاتا اور خوشگوار ہے) وَطَائِفَةِ الثَّانِيْ (اور دوسرا گروہ) ایسے پانی کی مثل ہے جو مِلْحٌ اُجَاجٌ ط (فاطر۔12) (ترجمہ: کھارا اور کڑوا (پانی) ہے)۔ پس اعتبار کے لحاظ سے دو گروہ ہیں۔ کبھی باطن ظاہر کی حفاظت کرتا ہے اور کبھی ظاہر باطن کی حفاظت کرتا ہے، کبھی باطن ظاہر کے لیے لڑتا ہے، اور کبھی ظاہر باطن کے لیے لڑتا ہے۔ اسماءِ صفات کے عدم ظہور کو کرب کہتے ہیں تاہم ان تمام محمولات کی بنیاد اسی اعتبار پر ہے چنانچہ حکم ہوتا ہے کہ ایسا مقام بنایا جائے جس کا ظہور نہ ہو سکے، تو دِل میں یہ تدبر اور تفکر پیدا ہوتا ہے کہ ایسی عمارت یا مقام کی بنیاد کیسے اور کہاں رکھی جائے جس کا ظہور ہی نہ ہو۔ ایسے ہی مسئلہ کو کرب کہتے ہیں۔ اگرچہ کرب کی حقیقت کچھ نہیں ہے جب تک کہ مشیت اور ارادہ ظاہر نہ ہو اور اس کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو یہ کرب ہی کہلاتا ہے۔ ہر ایک لفظ معنی کے لحاظ سے کرب ہی ہے جس کا اظہار ہی مقصود نہ ہو۔ حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جس چیز کی ابتدا اور انتہا ایسی ہی پنہاں حکمت پر ہو تو عالمِ بشریت کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہییں جو کہ سمجھ میں آسکیں''۔ چنانچہ غزاً، وقایہ اور ان کے علاوہ بھی دیگر الفاظ استعمال ہوتے ہیں تاہم شیخ ابنِ عربیؒ کے تمام الفاظ معنی کے اعتبار سے ہیں کیونکہ عالمِ الطاف اتنا آسان نہیں کہ جلدی ختم ہو جائے اور آسانی سے سمجھ میں آجائے اور جب عالمِ الطاف سمجھ میں آجاتا ہے تو زمین اور آسمان میں سے ذرہ برابر بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو دل میں نہ آسکے۔

مناجات میں شیخ بایزید قدس اللہ رُوحہٗ فرماتے ہیں:

''اے اللہ! میری مملکت تیری مملکت سے عظیم تر اور زیادہ بزرگی والی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اپنی اس بات کے بارے میں وضاحت فرمائیں تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''اے اللہ!

Marfat.com

میری مملکت تیری ذات ہے اور تیری مملکت میری ذات اور سارا عالم ہے۔ پس لامحالہ میری ذات، تیری ذات اور تمام عالم سے زیادہ بزرگ اور عظمت والی ہے۔'' اگرچہ ظاہری طور پر یہ الفاظ ادب کے خلاف ہیں لیکن ان کے معنی بہت ہی اچھے اور موزوں ہیں۔ اے جانِ عزیز! جب حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے ظاہر اور باطن کو حاصل کر لیا اور تمام عوالمِ وھم کا ادراک کر لیا اور مختلف بے بہا تجلیات کو پا لیا اور ان تجلیات کا معائنہ کر کے ان کا ادراک کر لیا تو ان کا وجود شریعت (بشری وجود) کی قید سے آزاد ہو گیا اور ان کا ظاہر اور باطن ایک جیسا ہو گیا اور ان کے تمام اعضاء عین نور ہو گئے۔

كَمَا يُقَالُ فِیْ حَقِّ اِدْرِیْسَ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِاَنَّ الْقُدُسِیَّ اِذَا اَغْلَبَ الْاَوْهَامِ عَلَیْهِ سَقَطَتْ وَ حَارَّةً قُوَاهُ مِنْوَاةً عَقْلِیَّةً لِاَنَّ الْغَالِبَ عَلَیْهِ صِفَاتِ الرُّوْحَانِیَّةِ وَقَهَرَ النَّفْسَ نِیَّتِ الْقُوِیَّةِ وَالطَّبِعِیَّةِ وَالْبَدَنِیَّةِ حَتّٰی صَارَ رُوْحًا مُجَرَّدًا كَالْمَلَائِكَةِ۔

(ترجمہ: جیسا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے حق میں فرمایا گیا کہ جب قدسی (روحِ قدسی) پر اوھام غالب ہو جاتا ہے تو اس کی بشری صفات ختم ہو جاتی ہیں اور روحانی صفات اس کی عقل پہ طاقت کے ساتھ غلبہ پا لیتی ہیں۔ اُس کے نفس پر یہ روحانی صفات قہر بن کر گرتی ہیں۔ اس کی نیت قوی (مضبوط) ہو جاتی ہے اور اس کی یہ طاقت باہمتِ نیت اس کے بشری بدنی وجود پہ غالب آ جاتی ہے حتیٰ کہ وہ صرف روح ہی رہ جاتا ہے جیسا کہ فرشتوں میں صرف روح ہی باقی ہے)۔ اس جگہ یہ معرفت کی تجلی کامل ہو جاتی ہے اور اوھام اس کا ادراک کر لیتا ہے اور اس اوھام کا ادراک تمام عالمِ ارواح پہ ہوتا ہے۔ اس کی نیت میں شہودی کی تشبیہ اُسے نظر آتی ہے اور اُسے تمام اشیاء میں حق (ھُو) ہی نظر آتا ہے اور وہ صرف حق (ھُو) کو ہی جانتا ہے۔

اے جانِ عزیز! اس طریقہ کے مطابق حق کو دیکھنا اور پانا اور سمجھنا سراب[1] کی طرح ہے لیکن حق کو پانے، دیکھنے اور سمجھنے کے لیے بہترین نمونہ اِنَّ الْاِنْسَانَ كَامِلٌ (ترجمہ: کہ یہ انسانِ

---

[1] سراب۔ آنکھ کے دھوکے کو کہتے ہیں کہ جس میں سورج کی شعاعیں منعکس ہونے کی وجہ سے دور سے صحرا میں پانی نظر آتا ہے مگر قریب جانے پر وہ ریت ہوتی ہے۔

Marfat.com

کامل ہی ہے) انسانِ کامل ہے۔ بَالْوَھْمِ اِنَّ النَّجْوَا عَنِ الصُّوْرَةِ لَہٗ ذَاتِیَۃِ (ترجمہ: وھم سے وہ جس صورت کو دیکھتا ہے اس (اللہ کی) ذات کو ہی دیکھتا ہے)۔ اس حکم کے مطابق وہ جس صورت کو دیکھتا ہے اس کی بینائی اس صورت کو پا لیتی ہے۔ وہ دو طریقوں سے معرفت حاصل کرتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ موثرہ[1] بھی ہے اور موثر فیہ[2] بھی ہے۔ عقل سلیم ہو یا صاحبِ تجلی المعنٰی ہو یا مومن موحد ہو کسی کی مجال (کسی کو چارہ نہیں) نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کو دیکھے، پائے اور سمجھے کہ ایسا صرف سلطان الوھم ہی کر سکتا ہے کیونکہ وہ سب سے قوی ہے کہ وہ تمام کُلی اور جزوی تجلیات اور عالمِ ارواح اور دیگر عالموں کا ادراک رکھتا ہے۔

اے جانِ عزیز! جب آئینہ (دِل، باطن) کا ظاہر و باطن مصفّٰی (صاف) اور بے کدورت ہو جاتا ہے، دل کا زنگار اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے تو یہ آئینہ اتنا صاف ہو جاتا ہے کہ اس میں کوئی کدورت (غیر ما سویٰ اللہ) باقی نہیں رہتی اور تمام عوالِم لطیف اور کثیف اس میں منقش ہو جاتے ہیں۔ اس میں اوھام کامل پیدا ہو جاتا ہے جس سے یہ مطلق غناء حاصل کر لیتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ o (العنکبوت۔6) (ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمام عالموں سے غنی ہے)۔ لٰہذا اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور اس کی تمام بشری صفات فنا کر کے بقائے سرمدی عطا کرتا ہے کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے چہرہ کے سوا تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں)۔ اور وہ اس مقام پہ پہنچ جاتا ہے اور تمام موجودات کو مقامِ اطلاق میں پاتا ہے۔ موجودات میں سے ایک ذرہ کا وجود بھی باقی نہیں رہتا اور اُسے ہر چیز میں مطلق حق (ھُو) ہی نظر آتا ہے۔ تمام موجودات کا وجود فنا ہو جاتا ہے اور اس کا وجود باقی رہ جاتا ہے۔

اے جانِ عزیز! جب اوھام کامل ہو جاتا ہے تو اس کا تصرف تمام عالموں پہ جاری ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی عالم خواہ وہ ملکوت ہو یا جبروت ہو اُس کے تصرف سے باہر نہیں رہ سکتے۔ جو کچھ بھی

---

[1] موثرہ سے مراد ہر چیز میں اثر کرنے والا [2] موثر فیہ سے مراد اثر قبول کرنے والا یعنی اثر کرنے والا بھی وہ ہے اور اثر قبول کرنے والا بھی وہ خود ہے "ہمہ اوست در مغز و پوست" ہے۔

Marfat.com

اوھام منتہی میں قرار پکڑتا ہے اُسے وہ اس کی غرض سے نواز دیتا ہے۔ تمام فرشتے، تمام ارواح، تمام جن اور تمام انسان اور تمام دیو اس کے تصرف میں آجاتے ہیں اور وہ انہیں جو کام بھی کہتا ہے وہ تمام کے تمام اس کا حکم بجالاتے ہیں اور ہمیشہ بروقت اس کی رضا کے مطابق کام کرتے ہیں۔

اوہام کامل کے مقابلہ میں تمام روحانی ایک ذرہ کی مانند ہیں اور وہ عرش اور کرسی اور قلم اور تمام افلاک کی وسعت کو اپنے فراخ دل میں ایک نقطے کی مانند دیکھتا ہے۔ تاہم اس کی یہ سیر بھی انتہائی سیر نہیں ہوتی۔ جب طالبِ مولیٰ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کا تصرف ناقص ہوجاتا ہے اگرچہ عالمِ جبروت میں سے کسی کی بھی یہ ہمت نہیں ہوسکتی کہ وہ یہاں تک پہنچے۔ اس جگہ معجزہ اور کرامت ایک تنکے کی مانند ہوتے ہیں۔ وہ اس قدر تصرف رکھنے کے باوجود اپنے تصرف کو قاصد ہی شمار کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمالِ معرفت کے اعتبار سے کامل تصرف رکھتے تھے جس کی تائید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی فرمائی کُلَّمَا عَمَلَتُ وَمَعْرِفَتُ نَقَصُ تَصَرُّ (ترجمہ: معرفت میں جس قدر کمال آتا ہے تصرف میں اسی قدر عاجزی آتی ہے)۔

اس جگہ دو وجہ سے عارفِ کامل کا تصرف ناقص ہوتا ہے۔ پہلا یہ کہ جب اُسے معرفتِ کمال حاصل ہوتی ہے تو اُسے عبودیت میں بھی کمال حاصل ہوجاتا ہے۔ پس بندہ کی کیا قدرت اور مجال کہ وہ صاحب کمال کے سامنے اُسی کی مملکت اور ملک میں کچھ تصرف کرے حَاشَا وَ کَلاَّ ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی کو عبودیت میں اس قدر کمال حاصل ہو اور وہ عبودیت کے اس کمال کو سمجھتا بھی ہو پھر بھی وہ مُلکِ مولا میں تصرف کرے۔ پس عجیب بات ہے کہ وہ کس طرح عبودیت کے کمال پہ اپنا تصرف استعمال کرے۔ پس ضرورت اس بات کو جاننے کی ہے کہ جس قدر معرفت میں ترقی آتی ہے اُسی قدر تصرف ناقص ہوتا جاتا ہے۔ نظر اپنے آپ پر نہیں رہتی۔ اُس کے نزدیک خوشی اور غمی برابر ہوجاتے ہیں کہ:

اگر سلطان مارا بندہ باشی!
ہمہ گریند تو درخندہ باشی!

Marfat.com

ترجمہ: اگر تُو سلطان کا غلام بن جائے تو تجھے ہر وقت رہنے والی خوشی نصیب ہو جائے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب معرفت حاصل ہوتی ہے تو توحید کمالِ مطلق ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کے دِل سے غیر کا وجود اور نام نکل جاتا ہے۔ اُس کے نزدیک متصرف، مصرف اور تصرف ایک ہو جاتے ہیں۔

پس ان دو طریقوں سے عارفِ کامل کا تصرف ناقص ہوتا ہے اور توحیدِ کمال میں اس طرح غرق ہو جاتا ہے کہ اُسے کسی چیز کا شعور نہیں رہتا۔

تا بہ دانی کہ از لطافتِ خویش
ہمہ در بند زلفِ خویشتن

ترجمہ: کاش تجھے معلوم ہو جائے کہ تیری لطافت کی وجہ سے ہر کوئی تیری زلفوں کا اسیر ہے۔

اور اس مقام پر اطلاق اور فردانیت اس طرح چمک جاتے ہیں کہ کسی بھی چیز کی نقد[1] اور تکثیر[2] اصل باقی نہیں رہتی۔ حکم ہوتا ہے کہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (سورہ الرحمٰن۔26) (ترجمہ: ہر چیز نے فنا ہوتا ہے) تمام موجودات ختم ہو جاتی ہیں وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (سورہ الرحمٰن۔27) (ترجمہ: اور بقا صرف اللہ تعالیٰ کے چہرہ کو ہے جو بہت ہی جلال اور اکرام والا ہے) کے مطابق ذاتِ حق تمام جانب اور ہر چیز اور ہر جگہ میں اپنی حقیقت ظاہر کر دیتی ہے۔ کسی غیر کے وجود کا خیال اس کے دِل میں نہیں آتا اور اس عبارت کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کسی نے خوب کہا کہ:

گفتم کہ اگر اے تو بریں زیبائی
گفتا کہ خود را خود منم یکتائی

ترجمہ: میں نے کہا کہ آپ اتنے حسین وجمیل ہیں تو انہوں (اللہ) نے جواب دیا کہ میں یکتا ہوں۔

---

[1] ٹھوس وجودی حیثیت [2] کثرت۔ جن چیزوں کو علیحدہ علیحدہ شمار کیا جا سکے

Marfat.com

ہم عشق و ہم عاشق و ہم معشوق
ہم آئینہ و ہم جمال و ہم زیبائی

ترجمہ: میں خود ہی عشق ہوں، خود ہی عاشق ہوں اور خود ہی معشوق ہوں۔ خود ہی آئینہ ہوں اور خود ہی جمال ہوں اور خود ہی زیبائش ہوں۔

طالبِ مولیٰ (سالک) جب اس مقام پہ پہنچتا ہے تو اس کا انتقال ہو جاتا ہے اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنَ الدَّارِ اِلَی الدَّارِ (ترجمہ: بے شک اللہ کے ولیوں کو موت نہیں بلکہ وہ ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوتے ہیں) وہ اس کی تحقیق کرتا ہے اور انتقال کے بعد دائمی ترقی کرتا ہے اور ہر گھڑی سیر کرتا ہے اور وہ کسی لمحہ بھی اس سیر سے غافل نہیں رہتا اور اُس کی ابدالا باد تک ترقی ہوتی رہتی ہے۔

کَمَا قَالَ قَائِلُ طَابِشَتْ اَنَّ الْوُجُوْدَ مِنْ حَیْثُ ھُوَ وُجُوْدٌ وَاجِبٌ بِذَاتِہٖ وَ کُلَّمَا وَجَبَ فَلَا یَقْبِلُ الْعَدَمَ اَبَدًا فَھُوَ مَعَ الْاَ نَابَتِ یَتَجَدَّدُ وَیَتَرَ قّٰی وَ کُلَّ شَیْءٍ فِی التَّرَقّٰی مَعَ الْاَنَابَتِ یَکُوْنُ دَائِمُ الْقَبُوْلِ التَّجَلِّیَاتِ الْاِ لٰھِیَّۃِ الْوُجُوْدِ یَّۃِ اَبَدَ الْاٰبَادِ بِکُلِّ تَجَلِّیَاتِ الْاٰخِرِ وَقَدْ یَشْعُرُ بِذٰلِکَ الْاِحْتِجَابِ وَلٰکِنْ اِذَ الطَّافَتُ الْحِجَابِ رُفِعَتْ۔

(ترجمہ: جیسا کہ کہا گیا ہے کہ بے شک جو وجود با اعتبار وجود اپنی ذات پر واجب ہوتا ہے پس وہ کسی صورت میں بھی عدم کو قبول نہیں کرتا۔ وہ رجوع کر کے تجدید حاصل کرتا ہے اور ترقی پاتا ہے اور جو وجود بھی رجوع کر کے ترقی پاتا ہے اُس میں تجلیاتِ الٰہیہ کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ اور تجلیات بھی قبول کرتا ہے اور اِس سے پردے کا ہونا معلوم ہوتا ہے اور جب وہ پردہ لطیف ہو جاتا ہے تو خود ہی درمیان سے اُٹھ جاتا ہے)۔

اے جانِ عزیز! جب منتہی واصل معرفت کے کمال کو پہنچتا ہے تو اس حکم یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ۔ (ابراہیم۔48) (ترجمہ: اس دِن ایک زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا) کے مطابق قالب (جسم، ظاہر) دِل کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور روح کا لباس پہن

Marfat.com

لیتا ہے۔ جب اس حالت میں اس کا انتقال ہوتا ہے تو وہ کسی لمحہ بھی سیر اور ترقی سے باز نہیں رہتا چنانچہ اس بارے میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربی رحمتہ اللہ علیہ مکیہ (فتوحاتِ مکیہ) میں فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اور خواجہ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ اور خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر کئی شان والے اولیاء اکرام بھی منکر تھے۔ میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا اور ہر ایک کو سیر کروائی اور دکھایا اور معلوم کروایا کہ مرنے کے بعد بھی اولیاء اللہ کو سیر نصیب ہوتی ہے لیکن لطافت کے اعتبار سے اور روح کے رقیق ہونے سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر ان اولیاء اکرام نے میرے قول کی طرف رجوع کیا اور میری بات کو قبول کیا اور اس پر قائم ہو کر اس کو پالیا۔

اے جانِ عزیز! شہود اور تجلی چند معنوں میں آئی ہے۔ ایک کے معنی حضور ہیں اور دوسرے کے معنی دیدار کے ہیں۔ رویئت (دیدار) بھی چند معنوں میں آیا ہے۔ ایک معنی معروف امر کو دیکھنے کے لیے اور دوسرے معنی تجلی کو دیکھنے کے لیے۔ اور خیال (تصور) میں مثالی صورت کو ظاہر جثہ (ظاہری جسم) میں دیکھنے کے لیے بڑی آراء اور احادیث کی ضرورت ہے۔

جَمِیْعُ الْبَصَائِرِ وَالْاَ بْصَارِ اَمَّا الشُّھُوْدُ لِاَ ھْلِ الْوِلَا یَۃِ ھٰھُنَا الشُّھُوْدُ فِی الْحَضْرَۃِ الْخَیَالِیَّۃِ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَ نَّکَ تَرَاہُ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ قَلْبِ الْمُصَلِّیْ فَاِذَا اَقْوٰی اَلِاْ سْتِحْضَارِ الْخَیَالِیْ وَ غَلَبَ الْحَالِ صَارَ مَشْھُوْدُ الْخَیَالِیْ مَشْھُوْدٌ بِالْبَصَرَۃِ فَاِذَا صَارَاَ قْوٰی وَاَ کْمَلَ کَانَ مَشْھُوْدٌ بِحَدِّ الْبَصَرِ وَالْبَصَارَتِ وَفِی النَّھَا یَتِ مَقَامَ الْوِلَایَۃِ وَھُوَ شُھُوْدِ الْحَقِّ ذَاتِہٖ بِذَاتِیَۃٍ فَیَکُوْنُ الشَّاھِدُعَیْنَ الْمَشْھُوْدِ اَمَّا الْمُؤْمِنُ الْمُتَعَقِّلُ الشُّھُوْدِ فَھُوَ یَطْلُبُ الشُّھُوْدَ اَوَّلاً مِّنْ طَرِیْقَۃِ التَّخَیُّلِ وَالتَّمَثُّلِ ثُمَّ بِالرُّؤْیَۃِ الْحَقِیْقَۃِ حَتّٰی تَبْلُغَ مَقَامَ الْوِلَا یَۃِ فِی التَّوْحِیْدِ وَیَسْتَھْدِی الْھِدَا یَۃِ الرُّسُلِ بِاَتْبَاعِھِمْ لِاَنَّ دَعْوَتَھُمْ اِلَی الْحَقِّ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ۔

ترجمہ: یہاں پر شہود سے مراد خیالی حضوری ہے۔ بفرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ "تو ایسے

Marfat.com

عبادت کر گویا کہ تو رب کو دیکھ رہا ہے۔'' اور بفرمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ''خدا نمازی کے دل میں ہے'' جب حضور خیالی غلبہ حال بن جائے تو خیال کا مشہود بصارت کا مشہود بن جاتا ہے۔ بعینہٖ خیال (تصور) زیادہ طاقت ور اور کامل ہو جاتا ہے تو پھر مشہود بصارت اور بصیرت کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔ آخر میں جا کر مقامِ ولایت حاصل ہوتا ہے، جس میں ذات حق کا شہود بن جاتا ہے۔ مشہود کی کیفیت کو سمجھنے والا مومن پہلے شہود کی طلب طریقہ خیال (تصور) اور مثال سے کرتا ہے' پھر اسے حقیقت دیکھنا نصیب ہوتی ہے یہاں تک کہ توحید میں غرق ہو کر مقام ولایت کو پالیتا ہے اور رسولوں اور پیغمبروں کی ہدایت کے مطابق راہ تلاش کرتا ہے' جو ان کے اتباع سے نصیب ہوتی ہے کیونکہ حق کی دعوت جو ان کی طرف سے دی جاتی ہے وہ بصیرت پر مبنی ہوتی ہے۔)

اے جانِ عزیز! جب منتہی واصل روح میں ڈھل جاتا ہے اور اُس پر موت واقع ہو جاتی ہے تو اس کے اعضاء تصرف نہیں کرتے۔ جب وہ اس عالمِ فانی سے انتقال کرتا ہے تو اگر وہ ملکوتی ہو تو موت کے بعد اس کے اعضاء کو درست کیا جاتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد ایک مثالی جسم بنتا ہے اور یہ مثالی جسم گھوڑے پر سوار ہو کر ملاء اعلیٰ میں ارواحِ قدس سے مل جاتا ہے۔ اگر وہ جبروتی ہے تو وہ اس کے مطابق اپنے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مثالی جسم کو تقویت بخشتا ہے اور ہر ایک روحانی نورانی جنت میں نوری ہو جاتا ہے اور اُسے بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ اُس کی ایک ایسی مثالی صورت بنتی ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اُسے اس مثالی صورت میں اس جہان کی طرف واپس بھیج دیا جاتا ہے جہاں سے وہ آیا تھا اور اُسے اُسی مقام پر فائز کر دیا جاتا ہے کہ جس مقام پر وہ انتقال کے وقت فائز تھا۔

اَیْ مُتَفَرِّقُ اَجْزَاءِ فَاِذَا قَبَضَہٗ اِجْتَمَعَ اللّٰہُ قُوَاہُ رُوْحَانِیَّۃٍ فَیُسْوِیْ لَہٗ مُرَکَّبًا مَثَالِیًا وَصُوْرَۃَ جَسَدَانِیَّۃٍ مُتَمَثِّلَۃً غَیْرَ ھٰذِہِ الْمُرَکَّبُ الَّذِیْ فَارَقَتْ فَاِنَّ کَانَ مَنْ یَّفْتَحَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَبْوَابَ السَّمَآءِ خَلَصَۃُ الْمَلَآءُ الْاَعْلٰی یَعْنِیْ اَلْاَرْوَاحُ الْمُقَدَّسُ وَاِنَّ قَدَرَلَہٗ التَّوَلّٰی اِلٰی اَنْ یَّفْتَحَ لَہٗ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَتَاحِ الْاَمْرِ فَیُسْوِی اللّٰہُ لَہٗ ھَیْکَلُ رُوْحَانِیٌّ نُوْرَانِیٌّ مُنَاسِبُ اِلٰی ھَیْئَۃِ

Marfat.com

النَّائِبِ فِیْ دَارِالْبَقَاءِ لِوُجُوْدِ الْمُعْتَدِلْ ھُوَ الْمُقْتَضِیَ الْاِتِّصَالَ الدَّائِمِ فَلَا یَمُوْتُ اَبَدًا وَلَا یَفْرُقُ اَجْزَاءُہٗ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْھَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَۃَ الْاُوْلٰی وَاِذْ تَحَقَّقَ الْقَوْلُ بِمَا ذَکَرْنَاہُ اِشْتَغَلَّ الْاَمْرِ اِلٰی اَنْ یَکُوْنَ عَقْلاً مُجَرَّدًا فِیْ غَیْرِ مَادُوْنَ طَبِیْعَۃٍ فَیَعْلَمُ مِنْہُ وَیَظْھَرُ بِھٰذَا الْحُکْمِ فِیْ صُوْرَۃِ طَبِیْعَۃِ عِلْمًا ذُوْقِیًا یَعْنِیْ لِسَالِکَ وَالْمُتَحَقِّقِ بِکَوْنِہٖ عَقْلاً مُجَرَّدًا عَنْ قُیُوْدِ الطَّبِیْعِیَّۃِ تَحَقَّقَ جَیِّدٌ ذُوالْیَقِیْنِ وَالَّتِیْ کَانَتْ فِیْ عَالَمِ الْعَقْلِ ھِیَ وُصُوْلٌ بِعِلْمِ الْاَسْفَلِ مِنْ ضَوْءِ الطَّبِیْعِیَّۃِ فَیَعْلَمُ الْاَحْکَامِ الْمُخْتَلِفَۃِ فِی الطَّبِیْعِیَّۃِ ھِیَ الْمَعَانِیْ فِی الْاَعْیَانِ وَالْحَقَائِقِ الْعَقْلِیَہٖ عِلْمَ ذَوْقِیِّ وَحَقِیْقَتِھَا وُجُوْدِ ذَاتِہٖ تَعَالٰی فِیْ جَمِیْعِ الْاَعْیَانِ وَالْمَعَانِیْ وَاَعْطٰی فِیْ عَالَمِ الْعُقُوْلِ عَقْلاً مُجَرَّدًا وَفِیْ عَالَمِ نُفُوْسٍ نَفْسًا فِیْ عَالَمِ الْحَیْوَانِ حَیْوَانٌ فِیْ عَالَمِ النَّبَاتِ نَبَاتٌ وَفِی الْجَمَادِ جَمَادٌ وَفِی النَّارِ نَارٌ وَفِی الرِّیحِ رِیْحٌ۔

(ترجمہ: جب متفرق اجزاء کو قبض کر لیا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے تمام روحانی قویٰ کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ جس مرکب جسم سے جدا ہوا ہو اس کا مثالی مرکب ترتیب دیا جاتا ہے۔ اگر اس کیلئے آسمانی دروازے کھل جائیں تو انتہائی بلندی میں پہنچ کر ارواحِ مقدس سے مل جاتا ہے۔ اگر حکم الٰہی کی کنجی آسمانی دروازوں کے پیچھے رہنا ہی مقدر میں کر دے تو پھر اسکا ہیکلِ روحانی نورانی جو ایک معتدل وجود کی مناسبت سے ہو' دارُ البقا میں ترتیب دے دیا جاتا ہے۔ یہ تعلق اور جوڑ جس انداز سے بھی ہو ہمیشہ کیلئے قائم رہتا ہے۔ جدائی محال ہے' پھر دوبارہ موت کا ذائقہ کبھی نہ چکھنا ہوگا۔ اس تحقیقی بات سے ایک معاملہ یہ چل نکلا ہے کہ عقلِ محض موجود ہو اور حالتِ طبعی سے خالی ہو اور علم حاصل ہو جائے۔ اگرچہ سالک کیلئے طبعی صورت میں علمی ذوق زیادہ ہوتا ہے۔ طبعی قیود سے خالی عقلِ محض قابلِ یقین اور تحقیق اچھی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حالتِ طبعی ایک روشنی ہے جس کا تعلق نچلے علم (عالمِ ناسوت اور اس کی اشیاء کے علم) سے ہے۔ اس کے ذریعے عالمِ عقل تک رسائی ہوتی ہے جس سے اشیاء طبعی کے مختلف احکام معلوم ہوتے ہیں۔ عقلی حقائق بھی علمی ذوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ ساری کائنات کی اشیاء میں حقیقت وجودِ باری تعالیٰ ہے جس نے ہر جہان کو

Marfat.com

اس کی حقیقت کے ساتھ وجود عطاء کیا ہے۔ عالمِ عقل میں عقل دی' جاندار کو روح بخشی' عالمِ حیوان کو حیوانیت دی' عالمِ نباتات کو اگنا دیا' آگ میں گرمی اور ہوا میں نرمی بمع سختی عطا کی وغیرہ وغیرہ)۔

اے جانِ عزیز! جب منتہی واصل سیر کرتے ہوئے انتہائی مقام پہ پہنچتا ہے تو اس کے لیے موت اور حیات ایک ہو جاتی ہے۔ وہ جس شکل وصورت کو چاہتا ہے اختیار کر لیتا ہے اور جہاں چاہتا ہے جا سکتا ہے۔ اپنی ایک زبان سے سات آٹھ جگہوں پر حاضر ہو کر سب کے ساتھ کامل انبساط میں بات کر سکتا ہے۔ جو کچھ اُس کے دل میں آتا ہے وہی کچھ ہو جاتا ہے۔ اس کا وھم اس مقام پہ پہنچ جاتا ہے کہ تمثّل ہو جاتا ہے اور اس کا جسم جو لباس چاہتا ہے وہی اختیار کر لیتا ہے۔ مگر اس کا مقصد یہ نہیں بلکہ اصل مقصد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسے حاصل کی جائے؟ اور ان مقامات اور منازل تک کیسے رسائی حاصل ہو سکتی ہے؟ وہ کونسا محل اور مقام ہے کہ جہاں یہ کام بنتا ہے؟ ان سب کے لیے پیرِ کامل کی ضرورت ہے جو سیر عطا کر سکتا ہے اور ان منازل تک پہنچا سکتا ہے۔ اگر کسی کو پیرِ کامل نہ ملے تو وہ وھم تک نہیں پہنچ سکتا اس کا دل زندہ نہیں ہو سکتا' نہ وہ عالمِ حق کو دیکھ سکتا ہے نہ دریافت کر سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صحبت اختیار کر سکتا ہے۔ پیرِ کامل کے بغیر نہ تو ہمت مؤثرہ حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی قطعاً اس راہ کی سیر نصیب ہوتی ہے اور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (ترجمہ: مرجاؤ مرنے سے پہلے) کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے اعمالِ ظاہر آلودہ رہتے ہیں اور وہ اپنے ظاہر کو ہی بنانے سنوارنے میں مشغول رہتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا مشکل ہے اور جو کچھ کہا گیا ہے اُس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا اور وہ کچھ اثر نہیں لیتا اور نہ ہی اس راستہ میں قدم رکھ سکتا ہے۔

دوھڑہ

اعمال بکُند قول بزرگ است از بزرگانِ دین ہر کہ عامل گردد

ترجمہ: جو کوئی اعمال بجالائے تو اپنے بزرگوں کے کہنے کے مطابق عمل کرے اور عامل کے لیے

Marfat.com

بزرگوں کی بات پر عمل کرنا ناگزیر ہے۔

جو بھی مقصد اس دوہڑہ میں بیان کیا گیا ہے اس مقصد کو اچھے طریقے سے سمجھنا چاہیے اور اسے سمجھ کر اپنی منزل حاصل کر لینی چاہیے۔

دوھڑہ

تسنوی بخاکی تن اُوی جاکت حور

کہ نگر بتھی کال تاہ نوی!!

ترجمہ: تو صرف یہ نہ دیکھ کہ یہ خاکی تن ہے جس کو فنا ہو جانا ہے بلکہ اس میں باقی رہنے والے کو دیکھ۔

یعنی اپنے اعضاءِ ظاہر کو سکون میں لائے اور کوئی کام (زائد ظاہری جسمانی عبادت) نہ کرے کہ (ذکر، تفکر، تصور اور مرشد کی توجہ سے) دِل بیدار ہو جائے۔ باطنی حواس کی فتح ظاہری حواس کو قید کرنے میں ہے۔ باطنی حواس کی فتح کے واسطہ سے اُسے قرار و سکون نصیب ہوتا ہے اور اُس کے جسم کا سکون اُس کے دل کے ساتھ ہو جاتا ہے یعنی اگر دِل سکون میں ہو تو جسم بھی سکون میں ہوتا ہے اور اگر باطن یا دل میں بے سکونی ہو تو ظاہری جسم بھی بے سکون ہوتا ہے۔ دل ذکر میں لگ جاتا ہے اور جسم کو سکون ملتا ہے۔ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ (الانعام۔122) (ترجمہ: وہ تو مردہ تھا پس ہم نے اسے زندہ کیا) کے مطابق اُس کا دِل اللہ تعالیٰ کی یاد سے زندہ ہو جاتا ہے اور بغیر کسی تکلیف کے ہر سانس اور ہر گھڑی یادِ الٰہی میں گزارتا ہے۔ جب اُس کا دل زندہ ہو کر بیدار ہو جاتا ہے تو اُسے ذکرِ خفی پاس انفاس کا ذکر نصیب ہو جاتا ہے۔ سیر وھم اُس کے دِل میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے دِل میں سلطنت کی بنیاد پیدا کر لیتا ہے۔ اس مقام پہ اُسے فتح قلب حاصل ہو جاتی ہے کہ سالک کے لیے یہی عمل ہے اور حکم بحکمِ عِبَادَتَ الْفُقْرِ نَفِیِ الْخَوَاطِر (فقر کی عبادت خواطر کی نفی ہے) یہ عبادت سالک میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا سانس یعنی روح حق تک پہنچ جاتی ہے اور عالمِ حق اُس کے دل میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ اپنے دِل میں عالمِ حق کا مشاہدہ کرتا

Marfat.com

ہے اور وہ اپنے دل میں حق کو پا لیتا ہے یوں وہ اپنے دِل میں لقائے الٰہی حاصل کر لیتا ہے۔ رُؤْیَتَ عَلَیْكَ الصَّلٰوةِ دَائِمُوْنَ (ترجمہ: دیدار کرتے اور دائمی نماز ادا کرتے ہیں) انہیں یہ مقام نصیب ہوتا ہے اور ان کا دِل بیدار ہو جاتا ہے کہ اَلشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ اِبْنِ اٰدَمَ اِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ الشَّیْطَان (ترجمہ: شیطان ابنِ آدم کے قلب کے ساتھ پیوست ہے، جب ابنِ آدم اسمِ اَللّٰہُ ذات کا ذکر کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے)۔ اس طرح اسمِ اَللّٰہُ ذات کے ذکر سے جب سالک (طالبِ مولیٰ) کو کمال حاصل ہو جاتا ہے اور وہ دائمی مشاہدۂ حق (لقائے الٰہی) میں محو ہو جاتا ہے تو وہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (ترجمہ: مر جاؤ مرنے سے پہلے) کی صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ وہ محض ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اُس پر موت نہیں آتی۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے کہ:

جاں بجاناں دہ اگر نہ از تو بساند اجل
چوں تو خواہی ہر دو عالم ایں نیکو یا آں نیکو

ترجمہ: اپنی جان اپنے محبوب (اللہ تعالیٰ) کو دے دے نہیں تو تیری جان موت کا فرشتہ لے جائے گا۔ اب تُو خود ہی فیصلہ کر لے کہ جان اپنے محبوب کو دینا بہتر ہے یا موت کے فرشتے کو دینا بہتر ہے۔

راہِ سلوک کی تمام سیر اس بیت میں داخل ہے۔ یہ بیت ادھر اس رسالہ میں مناسبت نہیں رکھتا اس بیت کو صرف ضرورت کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبِ بِعَوْنِ اللّٰہِ تَعَالٰی تَمَّتْ هٰذَا الْکِتَابُ وَاَدْخَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَاتِبُ هٰذَا الْحُرُوْفِ بِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ جَنَّتِ الْاَبْوَابِ بِفَضْلِهٖ وَ بِکَمَالِ کَرَمِهٖ بِلَا حِسَابٍ وَبِلَا عَذَابٍ اٰمِیْنَ یَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ بِحُرْمَتِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ بِحُرْمَتِ کَلِمَةُ الطَّیِّبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو جنت عطا کُن نویسندہ را بہ نَسْتَعِیْنُ ۔

اللہ تعالیٰ بہتر علم رکھتا ہے۔ اور تمام کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے جس کی مدد سے یہ نسخہ

Marfat.com

اختتام پذیر ہوا' اور اللہ تعالیٰ کاتبِ حروف کو تمام مومنین کے ساتھ جنت میں داخل کرے اپنے فضل سے اپنے کمال کرم سے بغیر حساب کے اور بغیر عذاب کے۔ آمین

اے ربّ العالمین! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کے واسطے سے اور کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی حرمت کے صدقے تو اس کتاب کے لکھنے والے کو جنتِ قرب عطاء فرما' جس نے تیری مدد سے یہ کتاب لکھی۔

Marfat.com

سُلطانُ الوَھم
(خُورد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ: (اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن اور رحیم ہے)

رَبِّ یَسِّرۡ وَلَا تُعَسِّرۡ وَتَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ

(ترجمہ: یا اللہ آسانی پیدا فرما بے شک تُو آسانی پیدا کرنے والا ہے اور خیریت سے مکمل فرما)۔

وَبِاللّٰہِ التَّوۡفِیۡقِ اِعۡلَمۡ اَنَّ الۡوُصُوۡلَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی ثَلٰثَۃَ اَنۡوَاعٍ اَوَّلُھَا الۡوُصُوۡلُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی ھُوَالۡخُرُوۡجُ عَنۡ اَفۡعَالِ الۡبَھِیۡمَۃِ وَھِیَ تَزۡکِیَۃِ النَّفۡسِ وَثَانِیُھَا الۡوُصُوۡلُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی ھُوَالۡاِنۡقِطَاعُ عَنۡ مَاسِوَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَھِیَ تَصۡفِیَۃِ الۡقَلۡبِ وَثَالِثُھَا الۡوُصُوۡلُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی ھُوَالۡخُرُوۡجُ عَنۡ صِفَاتِہٖ وَھِیَ تَجۡلِیَۃِ الرُّوۡحِ الطَّالِبُ اَنۡ یَخۡرُجَ عَنۡ صِفَاتِہٖ حَتّٰی یَصِیۡرُ بَقَاءِ بِصِفَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

ترجمہ: تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں کہ جس کی توفیق سے ہی تمام کام سرانجام پاتے ہیں۔ جان لے اے طالب کہ اللہ تعالیٰ کے وصال کے لیے تین خصوصیات کا ہونا ضروری ہے' ایک یہ کہ انسان جانوروں جیسے افعال یعنی بُری عادات سے باہر آ جائے اور یہ ہی تزکیہ نفس ہے۔ دوسری یہ کہ انسان ماسویٰ اللہ ہر چیز کو اپنے دل سے نکال دے اور یہ تصفیہ قلب ہے۔ تیسری یہ ہے کہ انسان اپنی بشری صفات سے باہر آ جائے اور یہ تجلیّہ رُوح ہے۔ جب طالب اپنی بشری صفات سے باہر آ جاتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ بقا حاصل ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

اے جانِ عزیز! طالب کو چاہیے کہ وہ اپنی خودی کی صفات (بشری صفات) کو فنا کردے اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو کر بقا حاصل کرلے۔ اور اپنی خودی کے درخت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکے تاکہ وہ اپنی ہی ذات میں وجودِ کامل اور ذاتِ کامل کی تجلیات کا مشاہدہ کر سکے۔

فَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ اٰیَتِہٖ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی "ھُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ"۔ (سورۃ الحدید۔3)

ترجمہ: ہر شے میں اللہ کی نشانیاں ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "ھُو ہی اوّل ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے"۔

اے جانِ عزیز! طالب کو چاہیے کہ فنا کی کشتی میں سوار ہو کر مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (ترجمہ: مرنے سے پہلے مرجاؤ) تک پہنچ کر دریائے ھویت (عالم احدیت) کی سیر کرے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔ نہیں کچھ موجود سوائے ھُو کے) اور علم کا قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب پہلے ھُو آتا ہے تو تمام موجودات سوائے اِلَّا ھُــــوْ کے ختم ہو جاتی ہیں اور ھُو ہی باقی رہ جاتا ہے۔ اور ھُو کے تصور سے ھُو کے سوا ہر چیز کی نفی ہو جاتی ہے اور اس کا دِل (باطن) ربوبیت پہ ہو جاتا ہے۔

اس طالب کے دِل کو اللہ سے محبت کا ثمر اس طرح ملتا ہے کہ اس کا جسم اور روح انوارِ واحدانیت کے جلوہ سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے سِرّ (راز) کو اللہ تعالیٰ کے اسرار (رازوں) تک پہنچا لیتا ہے۔ اسی لیے فرمانِ حق تعالیٰ ہے کہ اَلْاِنْسَــانُ سِــرِّیْ وَاَنَـا سِــرُّہٗ (ترجمہ: انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں)۔ وہ اخلاص کا تاج اپنے سر پر رکھتا ہے، حضوری کی خاطر اپنی کمر باندھ لیتا ہے اور عبودیت کے گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہے پھر لگام کو خوب مضبوطی سے پکڑ کر گھوڑے کو میدان میں دوڑا دیتا ہے تاکہ مقامِ احدیت تک جا پہنچے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہہ دیجیے ھُو اللہ ہے جو کہ احد ہے)۔

Marfat.com

اے جانِ عزیز! طالب کو چاہیے کہ آبِ توحید (ذکر و تصورِ اسمِ اَللّٰہُ ذات) سے اپنے دِل[1] کی پرورش کرے۔ اور اپنی روح کو ظہورِ حق کے انوار سے منور کرلے اور تجلیاتِ صانع میں غوطہ لگا کر اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ کے گوہر کو حاصل کرلے۔ کیونکہ روح کو جان کہتے ہیں اور جان میں موجود سِرّ کو جاناں کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ مقام محبوب ہے بلکہ عین محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تین طریقوں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اوّل زبان کے ساتھ، دوسرا طریقہ دِل سے اور تیسرا طریقہ سِرّ ہے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ اِنَّ فِیْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ مُضْغَۃٌ فِی الْمُضْغَۃِ نُوْرٌ وَفِی النُّوْرِ سِرٌّ وَفِی السِّرِّ اَنَا (ترجمہ: بے شک ابنِ آدم کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، اس لوتھڑے میں نور ہے، اس نور میں سِرّ ہے اور اس سِرّ میں اَنَا (ھُو) ہے)۔ اے جانِ عزیز! طالب کو چاہیے کہ شہرِ اثنیت[2] کو اپنے اندر سے ختم کردے اور اس شہر کو جلا کر تباہ و برباد کردے تاکہ شہرِ اثنیت کی جگہ شہرِ انانیت[3] آباد ہوسکے۔ کیونکہ شہرِ اثنیت کو نفسانی کہتے ہیں اور شہرِ انانیت کو شہرِ روحانی بھی کہتے ہیں۔ پس طالب کو چاہیے کہ شہرِ روحانی کا تالہ کھول کر اسے آباد کرے تاکہ اُسے نفس اور شیطان سے خلاصی مل جائے اور اُسے تزکیۂ نفس حاصل ہو جائے۔ اور دوئی کی نجاست اُس کے جسم (ظاہر) اور دِل سے ختم ہو جائے۔ اور وہ یگانگت کا لباس پہنے اور آتشِ محبت کا پردہ اوڑھے محبوب کے گھر میں داخل ہو تاکہ وہ محبوب کا محرم اور رازوں کا رازدان ہو جائے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ (ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ انسان میرا راز ہے اور میں انسان کا راز ہوں) اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب پیئے اور ہمیشہ حالتِ شکر اور مشاہدۂ حق میں مگن ہو جائے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○ (سورۃ البقرہ۔115) قَالَ عَلِیُّ ابْنِ اَبُوْطَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ مَارَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَاَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ وَمَارَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا اللّٰہَ تَعَالٰی وَلَیْسَ فِی الدَّارَیْنِ غَیْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (سورۃ البقرہ۔165)

---

[1] باطنی وجود [2] دوئی [3] وحدت

Marfat.com

(ترجمہ: جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''تم جس طرف بھی دیکھو گے تمہیں اللہ کا چہرہ ہی نظر آئے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ وسیع علم رکھنے والا ہے''۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں جس چیز کو بھی دیکھتا ہوں اُس میں اللہ ہی دیکھتا ہوں اور اللہ کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ گویا اللہ تعالیٰ کے سوا دونوں جہانوں میں کچھ موجود نہیں ہے۔'' اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے شدت سے محبت کرتے ہیں'')۔ اے جانِ عزیز! طالب کو چاہیے کہ اپنے قالب (جسم) کی عمارت (بناوٹ) کو معیشت تصور کرے اور اپنے بولنے، کام کرنے، حرکات وسکنات، کھانے پینے اور سونے جاگنے ہر حال میں اللہ کے ساتھ رہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی '' وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ '' O (سورۃ الحدید۔4) (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے'') اور حدیثِ قدسی ہے کہ نَمْ عِنْدِیْ اِلَّا کَنَوْمِ الْعَوَامِ وَنَمْ عِنْدِیْ کَنَوْمِ الْعُرُوْسِ عِنْدِیْ مَا تَصْنَعَ لِغَیْرِیْ اِلَّا اَنْتَ مَحْفُوْفٌ (ترجمہ: اے بندے میرے پاس آ اور سکون کی نیند سو جا بلکہ میرے پاس دلہن کی نیند سو جا کیونکہ میں نے تجھے کسی غیر کے لیے نہیں بنایا سنوارا، مگر تُو تو چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے)۔ طالب کو چاہیے کہ اپنے اقوال اور افعال اور احوال میں استقامت پیدا کرے اور اپنے قالب (ظاہری جسم) کو فاعلِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے مطابق ڈھالے کیونکہ لَا فَاعِلَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہ (ترجمہ: اللہ کے سوا وجود میں کوئی فاعل (کام کرنے والا) موجود نہیں ہے) اور دائمی دریائے قرب کی محبت میں رہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ O (سورۃ ق۔16) (ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں)۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ تَنْعَمْ لِیْ وَسِرِّیْ اَنَا خَیْرٌ لَکَ مِنْ کُلِّ مَاسِوٰی (ترجمہ: میں اور میرا سِرّ (بھید، راز) تیرے لیے خیر ہے اور میں تیرے لیے ماسویٰ ہر چیز سے بہتر ہوں)۔

اے عزیز طالب! یاد رکھ کہ زبان سے دائمی ذکرِ اللہ نہیں کیا جا سکتا مگر دِل ہی وہ چیز ہے کہ

Marfat.com

جس سے اس راہ میں اللہ تعالیٰ کا دائمی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ طالب نہ تو کوئی حکایت کرتا ہے اور نہ ہی کوئی شکایت کرتا ہے مگر وہ صرف اللہ کے چہرہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

خواہم کہ بیخ محبت اغیار برکشیم
در باغ دِل رہا نکنم جز نہال دوست

ترجمہ: میں نے اپنے دِل سے اغیار کی محبت کا بیج نکال کر باہر پھینک دیا ہے کیونکہ میں اپنے دِل کے باغ میں دوست کے علاوہ کوئی پودا نہیں لگانا چاہتا۔

صبح اور شام بلکہ ہر وقت دائمی ذکر اَللّٰہُ میں مشغول رہنا چاہیے کہ اس طرح دائمی ذکر اَللّٰہُ میں مشغول رہنا خودی کو فنا کر دیتا ہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُو االلّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۙ۝ وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۝ (سورۃ احزاب 41,42)

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور اس کی تسبیح صبح و شام بیان کیا کرو)۔ اگر تو مردِ عاقل ہے تو پاس انفاس[1] کا ذکر حاصل کرتا کہ تو ایک ہی سانس میں دونوں جہان کا مالک ہو جائے۔ اے جانِ عزیز! طالب کو چاہیے کہ صبح اور شام اپنے تمام اعضاء کو ذکر اَللّٰہُ میں مشغول رکھے کہ اس کے ہر بال کو زبان مل جائے اور اس کا دِل (باطن) اللہ تعالیٰ کے مشاہدے سے بینا (دیکھنے والا، دیدار کرنے والا) ہو جائے اور اپنے سِرّ کو مذکور (جس کا ذکر کیا جائے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات) کی سیر کروائے یہاں تک کہ وہ اپنے تمام اعضاء کا ذکر خود بحیثیت کُل منظورات سنے اور تمام اشیاء کے ساتھ ذاکر (ذکر کرنے والا) ہو جائے اور پس وہ بجائے ذاکر کے مذکور ہو جائے۔

مَن تُو شدم تُو مَن شدی مَن تَن شدم تُو جاں شُدی
تاکس نگوید بعد ازیں مَن دیگرم تُو دیگری

ترجمہ: میں تُو ہو جاؤں اور تو میں ہو جائے۔ میں تن ہو جاؤں اور تُو اس تن کی جان ہو جائے تاکہ

[1] سانس کے ساتھ کیا جانے والا اسمِ ذات کا ذکر

Marfat.com

اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ میں اور ہوں اور تُو اور ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ (سورۃ البقرہ۔152)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تُو میرا ذکر کر میں تیرا ذکر کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

اے جانِ عزیز! طالب کسے کہتے ہیں اَلطَّالِبُ هُوَالْمُسْتَغْنِيْ عَنِ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ اَلطَّالِبُ هُوَالْمُسْتَغْنِيْ عَنْ ذَاتِهٖ۔ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلدُّنْيَا حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ الْاٰخِرَةِ وَالْاٰخِرَةُ حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا وَ هُمَا حَرَامَاتٌ عَلٰى اَهْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِذَا بَلَغَ الطَّالِبُ طَلَبَ الْحَقِيْقَةِ فَهُوَ الْمَطْلُوْبُ

(ترجمہ: طالب دُنیا کی ہر چیز سے مستغنی اور بے نیاز ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ طالب اپنے آپ سے بھی بے نیاز ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دُنیا اہلِ آخرت پر حرام ہے اور آخرت دنیا داروں پر حرام ہے تاہم اولیاء اللہ پر دونوں حرام ہیں' لہٰذا طالب جب حقیقی طلب تک پہنچتا ہے تو خود ہی مطلوب ہو جاتا ہے)۔

اے جانِ عزیز! طالب کو چاہیے کہ اپنے دِل کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بینا کرے اور اپنی بینائی کو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں صرف کر دے اور دائمی مشاہدہ میں رہے اور یہ جان لے کہ مشاہدہ کیا ہے۔

اَلْمُشَاهِدَاتُ رُؤْيَةِ اللّٰهِ الْمَحْبُوْبِ فِي الْحِجَابِ الدَّقِيْقِ وَحِجَابُ الدَّقِيْقِ هُوَ الْمَخْلُوْقَاتُ كُلِّهَا۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝ (سورۃ النساء 126) كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ التکویر۔ 29)

ترجمہ: مشاہدہ سے مراد اصل محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک باریک پردے میں دیدار کرنا ہے اور باریک پردے سے مراد تمام مخلوقات ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اور اللہ نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے'' اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وہ لوگ وہی کچھ چاہتے ہیں جو کچھ اللہ چاہتا

Marfat.com

ہے جو تمام عالمین کا پالنے والا ہے''۔

جس کے نزدیک ہر دو جہان کی قیمت اگر جو کے دانہ کے برابر نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے۔ اگر تو میرا طالب ہے تو پھر تیری مراد میرے علاوہ کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ میں ہی تیری تمام تر مراد ہوں۔ اے عزیز! تجھے پتہ ہونا چاہیے کہ فنا کیا چیز ہے؟ اَلْفَنَاءُ ھُوَ الْخُرُوْجُ عَنْ صِفَاتِہٖ (ترجمہ: فنا سے مراد اپنی (بشری) صفات کو اپنے وجود سے خارج کرنا ہے) لہٰذا طالب کو چاہیے کہ دونوں جہان کی موجودات سے نظر ہٹا کر اپنے دِل کو بینا کرے اور اپنے دِل میں کسی موجود چیز کو نہ دیکھے اِلَّا وَاجِبُ الْوُجُوْد (سوائے واجب الوجود کے)۔ کیونکہ تمام موجودات اور مخلوقات کا وجود واجب الوجود کی تجلیات سے ہی قائم ہے۔ اے جانِ عزیز! جاننا چاہیے کہ وجود کی تین اقسام ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ چار اقسام ہیں وَاجِبُ الْوُجُوْدِ وَجَائِزُ الْوُجُوْدِ وَمُمْکِنُ الْوُجُوْدِ وَمُمْتَنِعُ الْوُجُوْد (ترجمہ: واجب الوجود، جائز الوجود، ممکن الوجود اور ممتنع الوجود)۔ وَاجِبُ الْوُجُوْد کے لیے ابتدا، اوّل اور انتہا نہیں ہے وہ وجود ہمیشہ رہنے والا ہے اور تمام اُس کے ہی منظورات ہیں۔ اور جَائِزُ الْوُجُوْدِ اُس وجود کو کہتے ہیں جس کی ابتداء اور انتہا معلوم ہو۔ وَمُمْکِنُ الْوُجُوْد اُسے کہتے ہیں جس کی کُل معلومات معلوم ہوں اور علم میں آسکیں۔ اور مُمْتَنِعُ الْوُجُوْد وہ ہوتا ہے جس کا کوئی شریک نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہوتا۔ یہ ہی مُمْتَنِعُ الْوُجُوْد ہے۔ اے عزیز! طالب کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنا وقت مع اللّٰہ (اللہ کے ساتھ) گزارے اور اپنے تمام سانس شمار رکھے (ذکرِ ھُو کرتے ہوئے ہر سانس کا خیال رکھے اور ایک دم کے لیے بھی غافل نہ ہو)۔

انفاس زندے دار اگر مردِ عاقل

کاف ہر دو کون ملکِ تو گیرد بیک نفس

ترجمہ: اگر تو مردِ عاقل ہے تو اپنے سانس کو زندہ رکھ۔ دونوں جہانوں میں جو کچھ ہے وہ ایک ہی سانس میں تیری ملکیت میں آ جائے گا۔ طالب کو چاہیے کہ اپنے آپ کو معبود کی طلب میں لگا دے اور دنیا کو اپنے دِل سے باہر نکال پھینکے اور اپنی زبان سے دنیاوی باتیں نہ کرے بلکہ اس کو دنیاوی

Marfat.com

باتوں سے پاک رکھے اور اپنی روح میں اللہ تعالیٰ سے اُنس اور محبت پیدا کرے تاکہ وہ محبوبیت کے مقام تک پہنچ سکے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ۔(سورۃ البقرہ۔152) (ترجمہ: جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا)۔اے عزیز! طالب کو معلوم ہونا چاہیے کہ وجودِ اصلی وہ ہے جو ہرگز معدوم نہیں ہوتا اَلْوُجُوْدُ مَوْجُوْدٌ دَائِمٌ لَافَنَاءٌ لَہٗ اَبَدًا اَلْمَعْدُوْمُ دَائِمٌ لَابَقَاْلَہٗ (ترجمہ: وجود ہمیشہ دائمی موجود ہے اُس کے لیے فنا نہیں ہے اور معدوم دائمی معدوم ہے اور اُس کے لیے بقا نہیں ہے)۔جاننا چاہیے کہ فنا کیا ہے اَلْفَنَاءُ ھُوَ الْخُرُوْجُ عَنْ ذَاتِہٖ ھُوَلَا فَاعِلٌ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰہَ اِذَ بَلَغَ الطَّالِبُ فِیْ ھٰذِہِ الْمَنْزِلَۃِ فَلَا یَبْقٰی بَقَاءُہٗ اِلَّا ھُو (ترجمہ: فنا سے مراد اپنی ذات (بشری صفات) سے باہر نکلنا ہے۔''ھُو کے سوا کوئی فاعل موجود نہیں جو اللہ ہے'' طالب جب اس منزل پہ پہنچ جاتا ہے تو وہ (یعنی اس کا بشری وجود) باقی نہیں رہتا سوائے ھُو کے۔یعنی وہ ھُو میں فنا ہو کر اپنی بشری صفات کو ترک کر دیتا ہے)۔

اے عزیز! طالب کو چاہیے کہ خود کو مخلوق، مقدور، مامور، منظور اور مرزوقِ حق تعالیٰ جانے' احکم الحاکمین کے حکم پر راضی ہو جائے اور خوش رہے اور خالق کی رضا مخلوق کی مرضی سے مختلف ہوتی ہے۔کبھی قسمت اس کا ساتھ دیتی ہے اور کبھی نہیں دیتی۔کبھی اس پر فراخی آتی ہے اور کبھی تنگی آتی ہے۔طالب کو چاہیے کہ ہر چیز کو اس کی طرف سے جانے۔جو چیز بھی اللہ کی طرف سے آئے اس کو دل و جان سے قبول کرے اور اس پر قناعت کرے۔نہ صرف قناعت کرے بلکہ خوش رہے تاکہ اُسے مقام مَعَ اللّٰہ (اللہ کا ساتھ) نصیب ہو جائے اور روزِ آخرت صابرین میں سے ہو جائے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (سورۃ البقرہ۔153)

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے)۔

سیّد مغربی جمال علوی رحمتہ اللہ علیہ کے سلوک میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا ارادہ کرے تو یہ شرک ہے وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ (سورۃ یونس۔107) (ترجمہ: اگر تجھے اللہ کی طرف سے کوئی تکلیف آئے تو اُس کا ٹالنے والا سوائے ھُو

Marfat.com

کے کوئی نہیں)۔اے جانِ عزیز! جب طالب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے راز کو پہچان کر بنیاد تک پہنچتا ہے تو اس بات کو جان لیتا ہے کہ جلال حقیقت میں جمال کا مرکب ہے۔پس اُسے چاہیے کہ خود کو جلال سے گزارے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جمالِ الٰہی میں نیست (فنا) ہو سکے۔سورج جلال ہے مگر طالب پر اس کی تپش اور گرمی کچھ اثر نہیں کرتی وَكُلُّ الْوُجُوْدُ غَيْرَ اللّٰهِ (ترجمہ: اور کل وجود اللہ کا غیر نہیں ہوسکتا) اور کل وجود کی شرح غیر اللہ نہیں کی جا سکتی۔اس کے بعد طالب کا تصفیہ قلب ہوتا ہے اور طالب کا دِل اس قدر صاف اور شفاف ہو جاتا ہے کہ پورے عالم کے عکس کا معائنہ اپنے دِل میں کرتا ہے۔

اے عزیز! تجھے پتہ ہونا چاہیے کہ طالب کے لیے تین اقسام کا کھانا پینا ہوتا ہے۔پہلا کھانا شریعت، دوسرا کھانا طریقت اور تیسرا کھانا حقیقت میں ہوتا ہے۔پہلے کھانے سے مراد یہ ہے کہ رزّاق کی یاد میں کھائے اور ہمیشہ اطاعت اور بندگی میں رہے۔طریقت میں کھانے سے مراد ہے کہ اپنی ذات میں فکر کرے اور حقیقت میں کھانے سے مُراد ہے کہ اس طرح کھایا پیا جائے کہ ہمیشہ ہر وقت اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کیا جائے کیونکہ اُس حق تعالیٰ کے بغیر ان کا وجود ممکن ہی نہیں ہوتا لہٰذا کھانا اور کھانے والا دونوں حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔

فنا شوی فراز چوں اصل فانی
چو دریا ہرچہ باشی میدان کہ عین آنی

ترجمہ: تو اپنے آپ کو فانی سمجھ کیونکہ حقیقت میں تُو فانی ہے۔جو چیز بھی دریا کے اندر آ جاتی ہے وہ اپنا وجود کھو دیتی ہے اور عین دریا ہی باقی رہتا ہے۔

اِذَا بَلَغَ الطَّالِبُ فِيْ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ لَا مَوْجُوْدٌ اِلَّا هُوَ (ترجمہ: جب طالب اس منزل پر پہنچتا ہے تو ھُو کے سوا کچھ موجود نہیں رہتا)۔اے عزیز! طالب کو چاہیے کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (ترجمہ: نہیں کچھ موجود سوائے اللہ کے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے رسول ہیں) میں اس قدر غرق ہو جائے کہ خود فنا ہو جائے۔جب وہ مقامِ فنا پہ پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے

Marfat.com

مراتب کے مطابق اُس پر بلند مقامات کھول دیتا ہے۔اور طالبِ مولیٰ اپنے محبوب اور مطلوب کو اپنی ذات میں ہی دیکھتا ہے۔اے عزیز جب طالب اللہ تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے اس دولت تک پہنچ جاتا ہے تو کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں رہتی۔

اے عزیز اِذا خَلَقْتَ عَلَیْھِمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَأَیْتُ الْمَحْبُوْبِ فِیْ ذَاتِہٖ اِذَا یَکْفِیْ الطَّالِبُ بِفَضْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ ھٰذِہِ الْمَنْزِلَۃِ اَیْ لَامَوْجُوْدٌ اِلَّا ھُو۔ اَلْمُؤْمِنُ لَہٗ خَمْسٌ عَلَامَاتِ اَوَّلُھَا مَرَضٌ دَائِمٌ وَثَانِیُھَا حُزْنٌ دَائِمٌ وَثَالِثُھَا مَظْلُوْمٌ دَائِمٌ وَرَابِعُھَا صَبْرٌ دَائِمٌ وَخَامِسُھَا فَقْرٌ لَازِمٌ۔ لَوْ عَلِمَ الْاِنْسَانُ مَالَہٗ عِنْدِیْ یَقُوْلُ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ یَارَبِّ اَمِتْنِیْ اَمِتْنِیْ وَاَیْضًا مِّ الْمُؤْمِنِیْنَ طَلَبُ الْمَوْلٰی فَرِیْضَۃٌ وَتَرْکَ الدُّنْیَا وَاجِبٌ۔

(ترجمہ: جب لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کی مہربانی تجھ پر ہوگی تو تُو اپنی ذات کے اندر اپنے محبوب کا دیدار کرے گا۔ جب طالب کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ منزل کافی ہو جاتی ہے تو اس میں کچھ موجود نہیں رہتا سوائے ھُو کے۔اے عزیز مومن کسے کہتے ہیں؟ مومن کی پانچ علامات ہیں۔پہلی علامت دائمی مریض، دوسری علامت غم، تیسری علامت دائمی مظلوم، چوتھی دائمی صبر اور پانچویں فقرِ لازم۔حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اگر انسان یہ بات جان لے کہ میرے پاس اُس کے لیے کیا کچھ رکھا ہے تو وہ ہر وقت یہی کہتا رہے کہ یا اللہ مجھے موت دے، مجھے موت دے''۔اور اس طرح مومنین پر طلبِ مولیٰ فرض ہے اور ترکِ دنیا واجب ہے۔

جس وقت تک طالب غیر خدا کو اپنے وجود سے نکال نہیں دیتا اس وقت تک وہ اللہ کی ذات میں سو نہیں سکتا (فنا نہیں ہو سکتا)۔مومن کسے کہتے ہیں؟ مومن وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مخلوقِ خدا کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اور وہ اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ عمل پیرا ہو اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَشَفَقَۃٌ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ۔ (ترجمہ: اللہ کے حکم کی تعظیم کرو اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ شفقت کرو)۔اور حدیثِ قدسی ہے کہ اَلْبَعْضُ عِبَادِیْ مَنْ عَبَدَنِیْ عَلَیْہِ خَوْفُ جَھَنَّمُ وَطَمَعَ الْجَنَّۃِ (ترجمہ: کچھ بندے ایسے ہیں جو جہنم کے خوف اور جنت کی طمع میں عبادت کرتے

Marfat.com

ہیں)۔ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ (ترجمہ: حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے) جاننا چاہیے کہ وہ کون سی نماز ہے جو مومنین کے لیے معراج ہے۔ مومن کو چاہیے کہ دنیا سے وضو کرے اور آخرت سے غسل کرے اور اپنے نفس کی قربانی دے اور فنا کے دریا میں غوطہ لگا دے۔ پھر وہ اس مقام تک پہنچتا ہے وَھُوَ الصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنُ (ترجمہ: اور نمازِ ھُو مومنین کی معراج ہے) تکبیرِ تحریمہ تکبیرِ اولیٰ کو کہتے ہیں۔ تکبیرِ تحریمہ کے معنی کیا ہیں؟ کہ ماسویٰ اللہ اپنے اوپر ہر چیز کو حرام کر دینا۔ مومن تین قسم کے کام کرتا ہے۔ پہلا عبادت، دوسرا عبودیت اور تیسرا ذات۔ عبادت کیا ہے؟ کہ اس کا معاوضہ حور و قصور اور غلام اور خدمت گار اور جنت کی بے بہا نعمتیں ہیں۔ عبودیت کیا ہے؟ کہ جس کے معاوضہ کا مطلب ذات ہے اور یہ محبت پر مبنی ہے۔ پس طالب کو چاہیے کہ ہر حال میں ذات کا طالب رہے۔ طالبِ ذات کیا ہے؟ اپنے ارادے سے فارغ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور عنایت سے اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچ جائے۔ اے عزیز! ہر چیز کا کوئی نہ کوئی معاوضہ ہے پس ذاتِ باری تعالیٰ کا معاوضہ ذات ہے۔ جب تک اپنی ذات فانی نہ ہو اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کی ذات تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ اس جگہ یہ فرمان ہے کہ دَعْ نَفْسَكَ وَ تَعَالْ اِلَی اللّٰہِ (ترجمہ: اپنے نفس کو چھوڑ اور اللہ کی طرف آ) مومن کو چاہیے کہ خود کو حق تعالیٰ کی نظر میں منظور کرے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (سورۃ العلق۔14) فِیْهِ اِشَارَۃٌ اِلَی الرُّؤْیَةِ وَھُوَ تَعَلَّمَہٗ جِبْرَائِیْلُ صَلٰوۃُ اللّٰہِ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّكَ یَرَاہُ سِرًّا وَ جَھْرًا (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "کیا تو علم نہیں رکھتا کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے"۔ اس میں اللہ کی رویت (دیدار، لقائے الٰہی) کی طرف اشارہ ہے اور جبرائیل علیہ السلام نے یہ تعلیم دی کہ اپنے اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے ورنہ وہ تو ظاہر اور باطن دیکھ ہی رہا ہے)۔ بندہ اپنی حرکات، سکنات اور احوال اور اقوال اور افعال میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہوتا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (سورۃ المومن۔44) (ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو

Marfat.com

دیکھ رہا ہے)۔

دوسرا مراقبہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (ترجمہ: کہہ دو کہ ھُو اللہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے)۔ پس یاد رکھ کہ سمٰوٰتِ (آسمانوں) سے مراد دِل (باطن) ہے اور وَالْاَرْضِ (زمینوں) سے مراد قالب (ظاہری جسم) ہے اور جان لے کہ قالب میں جو ارادہ، قدرت اور علم وہ چاہتا ہے اللہ اس پر محیط ہے۔ پس اُسے چاہیے کہ اپنے ارادے، قدرت اور علم وحکمت اور اپنے امر کو ترک کر دے اور اس سے باہر آجائے اور اللہ تعالیٰ سے مقامِ تسلیم اور تسکین حاصل کر لے۔ اِعْلَمْ اَنَّ الْقُرْاٰنَ مَکْتُوْبٌ مِنَ الْعَاشِقِ اِلَی الْمَعْشُوْقِ (ترجمہ: جان لو کہ قرآن ایک مکتوب (خط) ہے جو عاشق کو اس کے معشوق نے بھیجا)۔ پس اے عزیز! جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کلامِ حق تعالیٰ ہے اور یہ کتابِ حق حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ نازل ہوئی۔ اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی بارگاہ کا محبوب بنالیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی دونوں جہانوں کا مقصود بنا دیا۔ اور دونوں جہانوں کی بادشاہی عطا فرمائی اور عزت کا تاج آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر پر رکھا اور فرمایا کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (ترجمہ: اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ ہوتے تو میں افلاک تخلیق نہ کرتا)۔ پس اے عزیز! جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اتباع میں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتباع ہی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آلِ عمران۔31) (ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”(اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان مومنوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو یقیناً اللہ تم سے محبت کرے گا)۔ قرآن پاک میں بھی یہ ہے کہ اگر کوئی آج قرآن سے اپنا راستہ روشن، منور اور شائستہ نہیں کرتا اور اپنے آپ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ تک نہیں پہنچاتا تو وہ اندھا ہے اور وہ تاریکی اور ظلمت میں رہے گا۔ پس جو آج قرآن پاک پڑھتا ہے اور اسے پڑھنے کے بعد فراموش

Marfat.com

کر دیتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں کے لیے وعید آئی ہے کہ
کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَعْمٰی O قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًاO قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَھَاۚ وَکَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی O (طٰہٰ۔ 126-124)

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ’’اور جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا (منہ موڑا) تو ہم اُس کی روزی تنگ کر دیں گے اور قیامت کے دن اُسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے پھر وہ کہے گا کہ اے رب تو نے میرا حشر اندھوں میں کیوں کیا حالانکہ میں تو آنکھیں رکھتا تھا۔ تو کہا جائے گا کہ جب تمہارے سامنے میری نشانیاں آئیں تو تم نے اُن کو بھلا دیا اور آج کے دن ہم نے تمہیں بھلا دیا‘‘)۔

اے جانِ عزیز! طالب کو چاہیے کہ دائمی ذکرِ اللہ میں رہے اور کبھی بھی ذکرِ اللہ سے باہر نہ آئے۔ خلوت اور عزلتِ حق اختیار کرے تا کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں استقامت مل جائے اور اُسے اپنی ذات کی نفی اور شیطان سے خلاصی مِل جائے۔ اور دنیاوی زندگی کی لذات اور شہوات کو کم کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اللہ کی محبت اور مٹھاس مل سکے اور دِن بدن اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی ملازمت نصیب ہو۔

اَلذَّاکِرُ ھُوَ الْخَارِجُ عَنْ ذِکْرِ مَاسِوَی اللّٰہِ تَعَالٰی کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ (الکھف۔ 24) (ترجمہ: ذاکر وہ ہے جو غیر ماسویٰ اللہ ہر چیز کے ذکر سے خارج ہو جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اپنے ربّ کا اتنا ذکر کر کہ تُو خود کو بھول جائے)۔ اے عزیز! تجھے پتہ ہونا چاہیے کہ توبہ کیا ہے؟ اَلتَّوْبَۃُ ھُوَ الْخُرُوْجُ عَنِ الذُّنُوْبِ وَالرُّجُوْعُ اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی الْعَظِیْمُ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًاؕ (سورۃ تحریم۔8) کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا (سورۃ نوح۔10) قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ۔

(ترجمہ: توبہ سے مراد اپنے گناہوں کو چھوڑ کر اللہ کے امر کی طرف رجوع کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ "اے ایمان والو! اللہ سے توبہ مانگو بلکہ توبتہ النصوح کی طلب کرو"۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اپنے ربّ سے استغفار کرو، بے شک وہ بخشش کرنے والا ہے"۔ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا شخص ایسا ہے کہ جیسے اس نے گناہ کیے ہی نہ ہوں)۔ پس طالب کو چاہیے کہ اپنے ماضی کے گناہوں سے توبہ کرے اور برائی سے باہر آجائے۔ پس اپنے تمام جسم کو گناہوں کے نزدیک نہ جانے دے اور دن رات اپنے جسم کی گناہوں سے حفاظت کرے۔ اس طرح اُسے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے استقامت نصیب ہو جائے گی اور اُسے گناہوں اور معصیت سے خلاصی مل جائے گی۔ اور پھر اس کے اقوال میں، احوال میں اور افعال میں جو کچھ بھی ہوگا وہ صرف حسنات[1] ہی ہوگا۔

اے عزیز! جاننا چاہیے کہ توبہ کی تین اقسام ہیں۔ پہلی توبہ (عام توبہ یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا) ہے دوسری توبہ انانیت ہے اور تیسری توبہ رؤیت ہے۔ پس جاننا چاہیے کہ توبہ کیا ہے؟ طالب کو چاہیے کہ درج ذیل مثنوی پہ عمل کرے:

مثنوی

اے وجود تو ہست دیگ لذیذ
جانشی دار اُو زبان عزیز

ترجمہ: اے وجود تو ایک لذیذ دیگ کی طرح ہے تا ہم اس کی لذت پانے کے لیے اپنی زبان کو عزیز بنا۔

گفتم دیگ گر بود بیا!
کہ سوئے دیگ شرئے برید

[1] حسنہ کی جمع ہے۔ مرتبہ حسنہ سے مراد اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کرنا ہے یعنی اس مقام پر طالبِ مولیٰ کے اقوال، احوال اور افعال اللہ تعالیٰ کے تابع ہو جاتے ہیں پھر اس کا قول، حال اور فعل اللہ تعالیٰ کا قول، حال اور فعل بن جاتا ہے اور اس مقام پہ صرف انسانِ کامل ہی ہوتا ہے جو کہ حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

Marfat.com

ترجمہ: اگراس وجود کو دیگ کہا ہے تو پھراس وجود کو دیگ کی طرح ہی رکھنا چاہیے۔

بے باک اول اُو را بآب توبہ بشوید

چوں شود پاک نام اے روئے گوید

ترجمہ: لٰہذا چاہیے کہ سب سے پہلے اس وجود کو توبہ کے پانی سے دھوئیں پھراس میں پاک نام کے ذکر سے دیدار نصیب ہوگا۔

چاہیے کہ اپنے وجود کو خواہشات اور لذّاتِ دنیا سے پاک کیا جائے اور اپنی زبان کو غیر اللہ کی ہر گفتگو سے پاک رکھا جائے اور اپنے دِل (باطن) کو غیر ماسویٰ اللہ سے پاک کیا جائے اور اپنے سِرّ کو نفس کی رضا سے پاک کیا جائے اور پھر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معصیت، چھوٹے اور بڑے گناہ سے محفوظ ہو جائے گا اور دائمی طلبِ حسنات[1] حاصل ہو جائے گی۔ پس روح کو نفس کی قید سے خلاصی مل جائے گی اور طالب مقامِ علیین[2] کی طرف پرواز کرے گا اور سیر الی اللہ کرے گا پھر اُسے اللہ کے فضل سے معلوم ہوگا کہ یہ توبہ ہے۔ جاننا چاہیے کہ انانیت کیا ہے؟ طالب کو چاہیے کہ غیب سے حضوری میں آئے اور اپنا حال، ظاہر، باطن، منظور، مقدور اور رزق دینے والا اللہ تعالیٰ کو ہی جانے پس اپنے آپ کو دیکھنا چھوڑے۔ چنانچہ یہ کہا گیا ہے کہ جب خود بین اپنے آپ کو دیکھنے سے خلاصی حاصل کر لے گا پس پھر اُسے مقامِ فنا حاصل ہو جائے گا۔ یہاں تک پہنچ کر اُسے علم الیقین اور روٗیتِ قلب (باطن کو دیکھنا) نصیب ہو جاتا ہے۔ پس یہاں پہنچنے والا اپنے رب کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہی انانیت ہے۔ اے عزیز جاننا چاہیے کہ روئیت کیا ہے؟ طالب کو چاہیے کہ

1۔ طلبِ حسنات سے مراد اپنے ہر عضو، بال بال اور پور پور کو لقائے الٰہی میں مگن کر لینا ہے کہ غیر ماسویٰ اللہ موجود ہی نہ رہے۔ یعنی پورا جسم ھُو کے تابع ہو جانا ہے، ھُو کی پناہ میں ہو جانا ہے کہ ھُو کے سوا کچھ موجود نہ رہے۔ 2۔ مقامِ علیین کا ذکر سورۃ المطففین پارہ نمبر 30 کی آیات نمبر 18 اور 19 میں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تمہیں کیا ادراک کہ کیا ہیں علیین؟ جس کو دیکھتے ہیں مقرب" (آیت نمبر 19) مقرب سے مراد اللہ کے قرب میں رہنے والے طالبِ مولیٰ جو کتابِ مبین کو پڑھتے ہیں اور کتابِ مبین سے مراد انسانِ کامل ہی ہے جو ھُو میں فنا ہو کر ھو ہو چکا ہو۔

Marfat.com

اپنے آپ کو حق تعالیٰ تک پہنچائے اور اس دوران جو مراتب پیش آئیں ان سے گزر جائے اور ان مراتب کی طرف نظر نہ کرے بلکہ عالی مرتبہ (دائمی لقائے الٰہی اور دائمی حضوری مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) طلب کرے اور اپنی سیر کو جاری رکھے۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درجات ہر روز بلند ہو رہے ہیں مگر سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی سیر ختم نہیں کی اور اعلیٰ مقامِ قرب کی جستجو میں رہے۔

طالب کو چاہیے کہ وہ جس مقام پر بھی ہو اس پر مت رکے اور اس مقام پر قناعت نہ کرے پس اللہ تعالیٰ اُسے کمال ہمت عطا فرمائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچ جائے گا، اسے رؤیت کہتے ہیں۔ مشاہدہ کیا ہے؟

اَلْمُشَاهِدَةُ هُوَ الْفِرَاغُ النَّفْسِ وَ الشَّيْطَانِ

ترجمہ: مشاہدہ نفس اور شیطان سے فارغ ہونا ہے۔

اے عزیز پس جاننا چاہیے کہ مجاہدہ کیا ہے؟ طالب کو چاہیے کہ دن رات نفس اور شیطان کے ساتھ حالتِ جنگ میں رہے اور اپنے نفس کی کسی مراد کو پورا نہ ہونے دے حتیٰ کہ اپنی مراد کو پہنچ جائے، اور شیطان سے چھٹکارا حاصل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے اور اللہ تعالیٰ کی حضوری حاصل کر سکے۔ بعض کہتے ہیں

اَلْمُجَاهِدَةُ هُوَ الْاَكْلُ وَ النَّوْمُ وَ الْغِنَاءُ وَ الْفَقْرُ

(ترجمہ: مجاہدہ سے مراد کھانے پینے اور سونے سے غناء حاصل کر کے فقر تک پہنچنا ہے)۔ پس اے عزیز! طالب کو چاہیے کہ غناء اور فقر اختیار کرے۔ جاننا چاہیے کہ غناء اور فقر کیا ہے؟

اَلْغِنَاءُ انْقِطَاعُ الطَّمْعِ مِنَ غَيْرِ اللّٰهِ اَیْ هُوَ الْمُسْتَغْنِیْ عَنْ غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَلْغِنَاءُ هُوَ التَّجْرِيْدُ وَ تَفْرِيْدُ عَنْ غَيْرَ اللّٰهِ تَعَالٰی هُوَ الْخُرُوْجُ عَنْ غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی كَمَا تَخْرُجُ حديث قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَرَفَ الْمُؤْمِنِ قِيَامُهٗ بِاللَّيْلِ وَ عِزَّةُ الْمُؤْمِنِ اِسْتِغْنَاءُ عَنِ النَّاسِ وَالْفَقْرُ الحَقِيْقِیْ هُوَ الْمُرْشِدُ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی لِطَّالِبِ (ترجمہ: غناء سے مراد غیر اللہ کی طمع کو چھوڑ دینا ہے اور اللہ کے سوا

Marfat.com

ہر چیز سے بے نیاز ہو جانا ہے۔ غیر اللہ سے تجرید اور تفرید[1] اختیار کرنا غناء ہے اور اللہ کے سوا ہر چیز سے اس طرح خارج ہونا جس طرح خارج ہونے کا حق ہے، غناء کہلاتا ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مومن کا شرف راتوں کے قیام میں ہے اور مومن کی عزت لوگوں سے استغناء میں ہے اور فقرِ حقیقی سے مراد ''ھُو'' (مرشد کامل اکمل صاحبِ مسمّٰی جو ذکرِ ھُو، تصورِ اسم اَللّٰہُ ذات اور مشقِ مرقومِ وجودیہ عطا کرے اور طالبِ مولیٰ کو فقر کے انتہائی مقام لقائے الٰہی اور مجلسِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائے) ہے جو طالب کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے)۔ اے عزیز! جاننا چاہیے کہ شبِ معراج حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اس مقام سے آگے نہیں جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صرف فقر ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگے لے جا سکتا ہے اور حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (ترجمہ: قاب قوسین یا اس سے بھی کم فاصلہ) کے مقام پر پہنچے اور قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ (ترجمہ: حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''فقر میرا فخر ہے'')۔ رسالۃ الغوثیہ میں لکھا ہے کہ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا غَوْثُ الْاَعْظَمُ قُلْ لِاَصْحَابِکَ وَاَحْبَابِکَ مَنْ اَرَادَ صُحْبَتِیْ فَعَلَیْہِ اِخْتِیَارُ الْفَقْرِ

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہٗ سے فرمایا! اپنے اصحاب اور احباب کو کہہ دو کہ جو میری صحبت چاہتا ہے اُس کو چاہیے کہ فقر اختیار کرے)۔

---

[1] تجرید یہ ہے کہ طالب (سالک) ہر ایک مقام سے نکل کر تنہا ہو گیا، نفس اور شیطان سے اس نے خلاصی پائی۔ مقامِ حضور ہمیشہ اس کے مدِّ نظر رہتا ہے۔ منظور ہو کر اس نے نفسِ مطمئنہ حاصل کر لیا ہے اب اس مقام پر شیطان نہیں پہنچ سکتا۔ تفرید اسے کہتے ہیں کہ طالب فرد ہو، بظاہر شب و روز عام لوگوں کی طرح رہتا بستا ہو اور ان سے تعلقات رکھتا ہو یعنی عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہو لیکن درحقیقت وہ مقامِ فردیت اور رَبُوبیت میں غرق ہو۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''تجرید میں اغیار کی نفی ہے اور تفرید میں اپنے نفس کی نفی ہے''۔

Marfat.com

اے عزیز! جاننا چاہیے کہ فقر کیا ہے؟ اَلشَّیءُ اَوْ لَا شَیءُ (ترجمہ: کوئی چیز ہو یا نہ ہو) وہ اس سے بے نیاز ہو۔ پس جنت بھی فقر کی آرزو میں رہتی ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ مُلُوْکُ الْجَنَّةِ (ترجمہ: مومن جنت کے بادشاہ ہیں)۔ پس اے عزیز! جاننا چاہیے کہ اَلْمُؤْمِنُ اَنِیْسُ الرَّحْمٰنِ (ترجمہ: مومن رحمٰن کا دوست ہے) رحمٰن کا دوست اسے کہتے ہیں کہ جس کی زبان ہی اللہ کا ذکر نہ کرے بلکہ پورا وجود اللہ کا ذکر کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتباع یہی ہے کہ اس کا دِل اللہ تعالیٰ سے محبت کرے پس یہی اُس کے لیے کافی ہے۔ یہ اَلْمُؤْمِنُ اَنِیْسُ الرَّحْمٰنِ (ترجمہ: مومن رحمٰن کا دوست ہے) ہے۔ پس اے عزیز! جاننا چاہیے کہ اَلْمُؤْمِنُ خَوَاصُ الرَّحْمٰنِ (ترجمہ: مومن اللہ کا خواص ہے) کیا ہے؟ خواص الرحمٰن یہ ہے کہ اُس کا جسم جسمانیوں (ناسوت میں) اور باطن روحانیوں (لاھوت یعنی عالمِ امر) کے ساتھ ہو، اور اس کا سِرّ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوکر مشرف ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس طرح متابعت کرے کہ وہ یہاں متابعت سے اَلْمُؤْمِنُ خَوَاصٌ (ترجمہ: مومن خواص ہیں) تک پہنچ کر اپنی روح کو ملکوت تک پہنچا دے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

(اختتام بالخیر)

Marfat.com

تصنیفِ لطیف

سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باھُو رحمتہ اللہ علیہ

سُلطانُ الوَھم

(کلاں، خورد)

بحکم و اجازت

خادم سلطان الفقر
سلطان محمد نجیب الرحمٰن
سروری قادری مدظلہ الاقدس

مترجم:

حافظ حماد الرحمٰن سروری قادری

Marfat.com